بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے والد میرے مربی

رشید احمد سعدی مظاہری

مدرسہ وصیۃ العلوم، پرنام بٹ

یہ دنیا فانی ہے، اس کی ہر چیز فانی ہے، کل نفس ذائقة الموت ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لیکن بعض شخصیات کی وفات سے نہ صرف ایک خاندان، معاشرہ اور خطہ متاثر ہوتا ہے، بلکہ کبھی پورا علاقہ اور کبھی پورے ملک کو نقصان پہنچتا ہے، زبانیں بند ہو جاتی ہیں، آنسو خشک ہو جاتے ہیں، دل کی دھڑکنیں سست پڑ جاتی ہیں، ان حالات میں اگر ہم ان بعض شخصیات کے متعلق کچھ لکھنا بھی چاہیں تو مناسب الفاظ، سلیقے کے جملے اور عمدہ پیرائے بیان بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

احقر راقم الحروف بار ہا قلم اٹھا رہا تھا اور رکھ رہا تھا، آخر کسی طرح لکھنے پر آمادہ کیا تو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس عظیم ہستی، مصلح و مربی والد مکرم حضرت اقدس عارف باللہ سعید الملت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات و حالات زندگی کے کس پہلو کو بیان کیا جائے اور کس کو ترک کیا جائے؟

اپنے والد ماجد حضرت اقدس عارف باللہ فقیہ الملت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد ان کی تقریباً تمام تر خدمات تعلیم و تربیت افتاء وقضاوت امامت وقیادت اور روحانیت آپ سے وابستہ ہوئے، آپ نے ان عظیم ذمہ داریوں کا تقریباً چوالیس سال تک گوشہ نشین رہ کر، نام و نمود، جاہ و شہرت کی طلب اور اس قسم کی تمام لایعنی باتوں سے بہت دور ہو کر خاموشی سے وہ حق ادا کیا کہ جسے دیکھ کر سلف کا دور یاد آجاتا تھا۔

آپ کے خاندانی بزرگ واکابر باوجودیکہ وہ ظاہری و باطنی کمالات ومحاسن کے اعلی مقام پر فائز تھے، ان حضرات کی ایک بابرکت عادت وروایت تھی کہ جاہ و شہرت کے اسباب مثلاً اسفار، جلسوں وجلوسوں میں شرکت وغیرہ سے اپنے کو دور رکھتے تھے، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ بھی ان روایات اور عادات کے سچے وارث بنے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے ظاہری و باطنی علوم وفیوض کا صحیح اندازہ دور دراز علاقوں کے اہل علم نے بھی نہیں لگایا تھا، اور نہ آپ نے ان محاسن کو ظاہر کرنے کا کبھی ارادہ کیا، بلکہ آپ نے اپنے ان محامد ومحاسن اور کمالات کو سادگی کے دبیز پردے کے پیچھے ایسا چھپایا ہوا تھا کہ کسی کو بھی اس پردے کے ہٹانے کا موقع فراہم نہیں کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اب جب کہ والد مکرم نہیں رہے، ان کے نقوش وخطوط باقی رہ گئے ہیں، جن پر ہمیں چلنا ہے، اور کامیاب وبامراد ہونا ہے، وہ کیا نقوش تھے؟ انہیں الفاظ میں ڈھالنا ضروری معلوم ہوا، تاکہ ہم سب خدام دین کے لیے اپنی خدمات کو تابناک بنانے میں وہ

مشعل راہ ثابت ہوں، اور آنے والی نسلوں کے لیے وہ ایک قیمتی تاریخ اور ایک زریں دستاویز بن جائے۔

احقر نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو جو کچھ سمجھا تھا اور دیکھا تھا، اختصار کے ساتھ انہیں قید تحریر لانے کی کوشش کی ہے، اور جو کچھ تحریر کیا ہے، بلا تکلف اپنی دوسری مصروفیات کے درمیان وقت نکال کر بغیر کسی خاص مراجعت کتب تحریر کیا ہے، لہٰذا قارئین کرام کو بالخصوص اہل علم حضرات کو اس مضمون میں کوئی علمی و تحقیقی انداز اور ادب کی چاشنی وغیرہ نظر نہیں آئے گی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد اوصاف بیان کرنے کے باوجود احقر اس اعتراف پر مجبور ہے کہ آپ کی وصف بیانی کا حق ادا نہیں ہوا، اس لیے کہ آپ ان اوصاف کے علاوہ مزید بہت کچھ تھے، ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو احقر کی اس بات سے اختلاف ہو اور اس کو وہ غلو فی المدح قرار دیں، لیکن جنھوں نے حضرت کو قریب سے دیکھا ہے، سمجھا ہے، انہیں انشاء اللہ کامل اطمینان اور ایقان ہوگا کہ آپ اس دور میں سلف صالحین کے یادگار تھے۔ کسی نے کہا ہے اور بجا کہا ہے ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

خانوادہ

حضرت والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے بابرکت خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں جو تقریباً دو تین صدیوں سے علم و تقوی، زہد و فضل، عبادت و ریاضت، پاکیزگی اخلاق اور خدا ترسی و پارسائی میں معروف چلے آرہا ہے، خاندانی نسب آٹھ پشتوں میں حضرت شیخ احمد فقیہ بیجاپوریؒ سے جاملتا ہے، جنھیں نوابان آرکاٹ نے قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ سے نوازا تھا، شیخ احمد فقیہ رحمہ اللہ سے آگے سلسلۂ نسب کی کوئی مضبوط تحقیق نہیں ہے، خاندانی روایتوں میں مشہور ہے کہ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، البتہ راقم الحروف کو بیلگام میں مولانا قاضی محمد شفیع صاحب ندوی سے اتنا معلوم ہوا کہ عادل شاہی دور میں بیجاپور سے مختلف علاقوں کے لیے جو قاضی بھیجے جاتے تھے وہ سادات ہی سے ہوتے تھے، یہ بات مضبوط ذرائع سے وہ ثابت کررہے تھے، واللہ تعالی اعلم۔

اللہ تعالی نے اس خاندان کو ایسا سعادت مند بنایا تھا کہ ہمیشہ یہ علماء و مشائخ، قضاۃ و دعاۃ، ائمہ و خطباء اور حکماء و اطباء کا گہوارہ رہا ہے، اور کسی قدر اب بھی بفضلہ تعالی ہے۔ آپ کے خاندان کی کچھ تفصیلات کو آپ کے زیر سرپرستی مرتب ہونے والا مجموعۂ فتاوی ''محمود الاحکام'' کی پہلی جلد کے مقدمہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ولادت وطفولیت

اسی بابرکت خاندان میں حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۵ / صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۶ / ڈسمبر ۱۹۴۹ء بروز بدھ ہوئی، ان کے والد گرامی حضرت اقدس فقیہ الملت عارف باللہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت فقیہ، عالم ربانی اور شیخ طریقت تھے، حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب وحضرت مفتی اعظم

مولانا محمد شفیع صاحب رحمہما اللہ کے خلیفہ ومجاز تھے،شہرت اور عہدوں سے دور رہتے ہوئے ساری عمر انھوں نے قرآن وحدیث اور فقہ وفتاوی کی خدمت میں گذاردی۔ایسے پاکیزہ صفات ماحول میں حضرت والد ماجد نے آنکھیں کھولیں،اور والد بزرگوار اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کے آغوش میں پروان چڑھنے لگے،اپنے بچپن کا دور انھوں نے کس ماحول میں گذارا،اس کا نقشہ آپ خود کچھ یوں پیش کررہے ہیں:

’’بچپن کے لاشعوری دور کی وہ باتیں آج بھی ذہن میں الحمدللہ نقش کالحجر ہیں، جو حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ عقائد،توحید، سنت کی بنیادی معلومات،قبر کے حالات، برزخ کے حالات اور جنت و دوزخ کے واقعات کے حوالہ سے مجھے بتایا کرتے تھے، یہ وہ اساسی مایہ ناز سرمایہ تھا،جس پر بعد کے اکتسابی علوم کی عمارت کھڑی ہوئی‘‘۔(حضرت محی السنہؒ کے نقوش وتاثرات)

تعلیم

آپ کو ابتدائی تعلیم کے لیے پرنام بٹ کی قدیم درسگاہ مدرسہ اشاعت الحسنات میں داخلہ کرایا گیا، جہاں آپ نے اپنے چچا حضرت مولانا قاضی حکیم عزیز احمد صاحب وحضرت مولانا حافظ مشتاق احمد صاحب اور حضرت حافظ کوتوال عبدالرشید صاحب رحمہم اللہ سے ناظرہ قرآن پھر حفظ قرآن کا اکثر حصہ پڑھا،اس کے بعد مدرسہ عربیہ دارالعلوم احاطہ چوک مسجد پرنام بٹ میں داخلہ لے کر عالمیت کی کتابیں شروع کیں، ابتدائی اساتذہ میں حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، پھر آپ کے چچا حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی نثار احمد صاحب قاسمی اور آپ کے والد ماجد حضرت اقدس فقیہ الملت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہما اللہ سے اکثر عالمیت کی کتابیں پڑھیں، جب مدرسۂ وصیۃ العلوم میں شعبۂ عالمیت قائم ہوا تو آپ وہاں منتقل ہوگئے،اور ۱۹۷۳ء میں آپ کی فراغت ہوئی،آپ کے رفقاء میں حضرت اقدس مولانا محمد ذاکر رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا کھٹک یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے،تین افراد کی یہ جماعت وصیۃ العلوم کی پہلی فارغ جماعت تھی۔

افتاء

عالمیت کی تعلیم کے دوران سے ہی آپ کو فقہ وفتاوی سے خاص مناسبت تھی،اسی مناسبت کے پیش نظر آپ کے والد ماجد بعض استفتاء آپ کے حوالہ کرتے،جنھیں آپ کتب فقہ کے حوالہ سے حل کرتے تو کبھی آپ کے والد ماجد اور کبھی آپ کے چچا مولانا مفتی نثار احمد صاحب قاسمیؒ نظر ثانی فرما کر ان فتاوی کی تصدیق فرماتے۔

حضرت جد امجدؒ کی وفات کے بعد آپ کو مستقلاً مسند افتاء کی ذمہ داری سونپی گئی، جہاں سے آپ نے اپنے چچا کی نگرانی میں فتاوی نویسی شروع فرمائی اور اللہ نے آپ کو اس میں اتنی مہارت تامہ اور شانِ تفقہ عطا فرمائی کہ جنوبی ہند کے علاقوں میں آپ کے فتاوی کو درجہ استناد کا مقام حاصل ہوا،بعض اہم مواقع میں آپ کے فتاوی بڑے انقلاب آفریں ثابت ہوئے،مثلاً کئی سال پیشتر تراویحات میں اجتماعی دعاؤں کے تعلق سے ایک بڑے شہر سے استفتاء آیا،آپ نے اس کا بڑا مستند جواب دیا، جو الحمدللہ اس شہر کی کئی مساجد سے اس سلسلہ کے ختم ہونے کا ذریعہ بنا،تقریباً ۲۵/سال پیشتر شہر آمبور میں منکرین حدیث کا ایک بڑا فرقہ ظاہر ہوا،اور خوب

پھیلنے اور پھلنے لگا، اس موقع پر بھی آپ نے اس جماعت کی حقیقت پر بڑا جامع ومدلل فتوی لکھا، یہ فتوی اور دوسرے مقامات کے فتاوی نے وہاں بڑا انقلاب پیدا کردیا، اور چند ماہ کے بعد الحمدللہ اس جماعت کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ اسی طرح نکاح وولیمہ کی شرعی حیثیت کے متعلق ایک بڑا جامع فتوی آپ نے لکھا تھا، جو طبع بھی ہوا، اور معاشرے میں اصلاح کا ذریعہ بنا، دارالافتاء کی فائلوں میں آپ کے سیکڑوں فتاوی محفوظ ہیں، اللہ تعالی ان کے جلد طبع ہونے کے اسباب پیدا کردے، اور افادۂ عام کا ذریعہ بنائے۔

تدریس

اس کے علاوہ مدرسۂ وصیۃ العلوم میں شعبۂ حفظ اور شعبۂ عالمیت کی بعض کتابوں کی تدریس سے آپ وابستہ رہے، اس وقت کے آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت الاستاذ مولانا فاروق احمد صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسہ وصیۃ العلوم بھی ہیں۔

کتب درسیہ میں عربی زبان کا قاعدہ، علم الصرف مکمل، تمرین الدروس، نور الایضاح، قدوری، ہدایہ، جلالین اور مشکوۃ شریف وغیرہ آپ کے زیر تدریس رہے، حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحبؒ کی رحلت کے بعد اور حضرت مفتی نثار احمد صاحبؒ کی علالت کے دوران فتاوی نویسی کی مکمل ذمہ داری آپ ہی پر آپڑی، مزید براں قضاوت کی ذمہ داری بھی نبھارہے تھے، اس کے علاوہ آپ کی اصلاحی مجالس کا سلسلہ بھی جاری تھا، ان گراں بار ذمہ داریوں کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

نکاح

حضرت جد امجد مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام لڑکیوں کا نکاح بالکل سادھے انداز میں مسنون طریقہ سے فرمایا تھا، اسی مسنون طرز پر حضرت والد صاحبؒ کا نکاح بھی اپنی حقیقی بھتیجی حضرت حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے بتاریخ: ۳۰/رجب ۱۳۹۸ھ، م: ۸/جولائی ۱۹۷۸ء بروز جمعہ منعقد کیا، نکاح کیا تھا؟ بالکل سادھے انداز میں تمام رواجوں اور رسومات سے ہٹ کر کروایا، ایک صاحب نے احقر سے ذکر کیا کہ ہم لوگ نوشہ (آپ کے والد صاحب) کے ساتھ مسجد جانے کے لیے گھر کے باہر جمع ہوئے تو آپ کے دادا صاحب نے باہر آکر پوچھا کہ کیوں جمع ہو؟ ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا، نوشہ کو لے جانے، دادا صاحبؒ نے کہا کہ تم لوگ جاؤ سعید احمد کو راستہ معلوم ہے، وہ خود آجائیں گے۔

غرض اس طور پر سادھے انداز میں نکاح ہوگیا، دوسرے دن مسنون طریقہ پر ایک بکرا ذبح کیا گیا اور اس میں کھانا تیار کرواکر مخصوص علماء، صلحاء، اور خاص متوسلین کے گھروں کو ایک ایک پلیٹ بھیج دیا گیا، اس موقع پر کم حیثیت والے لوگوں اور طلبہ کا خاص لحاظ رکھا گیا، نہ رقعے تقسیم ہوئے، نہ لمبے چوڑے دسترخوان بچھائے گئے، بس مختصر رشتہ دار جمع ہوئے، شرعی طریقہ سے چھوارے محفل نکاح میں تقسیم ہوئے، لیکن یہ نکاح اتنا یادگار اور بابرکت ثابت ہوا کہ برسوں تک اس کے اچھے اور مثبت اثرات بستی میں محسوس کیے گئے، اور بہت سے افراد اپنے گھروں کی شادیوں کو بے جا اسراف اور خرافات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کیے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام بچیوں کے نکاحوں کو بھی حضرت دادا صاحبؒ کے طرز پر مروجہ رسوم سے ہٹ کر مسنون انداز میں کرنے کی پوری کوشش فرمائی تھی، ہم دونوں بھائیوں کے ولیموں کو بھی نہایت مختصر اور حضرت دادا صاحبؒ کے

طرز پر کرنے کی انہیں بڑی تمنا تھی، لیکن بعض وجوہ سے ذرا اہتمام ہو گیا تھا، اس کا بڑا قلق والد صاحب کو تھا کہ اس معاملہ میں ہم سے کچھ فضول ہو گیا، لیکن جو کچھ ہوا وہ والد صاحب کی مرضی سے نہ ہوا۔

سلوک واحسان

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو ایک خالص علمی وروحانی گھرانے کے چشم و چراغ ہونے اور صاحب نسبت افراد کے درمیان نشو ونما پانے کی برکت سے بچپن ہی سے سلوک واحسان سے مناسبت رہی تھی، خود آپ تحریر فرماتے ہیں: ''الحمد للہ اس ناکارہ کو اللہ تعالی نے ایک ایسے پاکیزہ ماحول میں نشو ونما پانے کا موقع عطا فرمایا کہ جہاں ہر لحہ حضرات اکابر امت کے ارشادات واحوال کا تذکرہ دل ودماغ کی جلا بخشی کا کام دیتا تھا''۔ (حضرت محی السنہؒ کے نقوش وتاثرات)

اپنے والد صاحب کی ہدایت اور رہنمائی میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے تیرہ چودہ سال کی عمر ہی سے اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، ابتداء میں حضرت جد امجد خط کا مختصر مضمون لکھ کر دیتے، تو حضرت والد صاحبؒ اس کو نقل کر کے الہ آباد حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں بھیجا کرتے، وہاں سے جواب آیا کرتا، پھر جب حضرت مصلح الامتؒ اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں مسلسل ہر سال ممبئی تشریف لائے تو اس موقع پر حضرت جد امجد مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب کے ساتھ دونوں فرزندوں حضرت والد ماجد اور چچا محترم حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدظلہ کو بھی اپنے ہمراہ ممبئی تشریف لے گئے تھے، اس وقت والد صاحب پندرہ سولہ سال کے تھے، حضرت دادا صاحبؒ کی فکر وکوشش یہی ہوتی تھی کہ اپنے ان فرزندوں کے اندر بھی ان بزرگوں کی صحبت سے باطنی کمالات پیدا ہوں، حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد خود دادا صاحبؒ ان فرزندوں کی خصوصی تربیت فرماتے رہے، سفر حضر میں ساتھ رکھ کر باریک بینی سے ان کی نگرانی فرماتے۔ بقول حضرت اقدس مخدوم ومعظم شیخ طریقت شاہ اہل اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ، عم مکرم مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ان لڑکوں کی خصوصی تربیت ایسی ہی کرنی پڑ رہی ہے، جیسے لڑکیوں کی گھروں میں رکھ کر کی جاتی ہے۔''

چناں چہ حضرت جد امجد اپنے ساتھ ہی ان کو مدرسہ ومسجد کو لے آتے اور واپس لے جاتے، اور خارجی اوقات میں کوئی درسی کتاب پڑھانا ہوتا تو استاد کو گھر ہی پر بلا لیتے۔

اس طرح ایک مثالی تربیت جب والد ماجدؒ نے اپنے والد سے ایک صالح ماحول گھرانے میں پائی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے اچھے اثرات ان کی ظاہری حالت کی درستگی کے ساتھ ان کے تزکیۂ نفس کی صورت میں بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔

ہم نے حضرت والد ماجد سے اپنی پارسائی وتقوی کی تفصیلات تو دور کی بات، اپنے کسی علمی ودینی کارنامہ کا تذکرہ بھی کبھی نہیں سن پایا تھا، ہاں اگر تذکرہ فرماتے تو اپنی کسی بھول یا کوتاہی کا تذکرہ فرماتے، جس پر انہیں دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ڈانٹ پڑی تھی، اور اس تذکرہ میں بھی ہماری تربیت واصلاح پیش نظر رہتی تھی، تاہم حضرت والد صاحب کے اولین تلامذہ اور ان

کے رفقاء سے احقر نے سنا ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نوجوانی حدیث پاک ”شاب نشأ في عبادة الله عزوجل“ (بروزمحشر عرش کے سایہ کا مستحق وہ نوجوان بھی ہوگا، جس نے اللہ کی رضا وعبادت میں نشوونما پائی ہو) کے کامل مصداق تھے، کوئی ان کا گہرا دوست نہ تھا، بس اپنے والد صاحب کے ساتھ مسجد جاتے، واپس آتے اور گھر ہی میں تدریس وافتاء کی ذمہ داری انجام دیتے، باقی اوقات والدین کی خدمت اور گھر کے کام کاج میں لگے رہتے، بڑے باوقار وپرنور چہرے کے مالک تھے، آپ کی ہر ادا اور فعل سے تقوی وطہارت جھلکتا تھا۔

۱۴۰۰ھ، ۱۰/مارچ ۱۹۸۰ء میں جب حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو آپ کے چچا واستاذ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی نثار احمد صاحبؒ (خلیفہ حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ پرنام بٹی) نے اپنے ان عزیز ترین بھتیجے کے اندر تقوی اور تعلق مع اللہ کے آثار واطوار کو بھانپ چکے تو اسی دن حضرت والد ماجد کو بیعت وسلوک کی اجازت مرحمت فرمادی، اور حضرت جد امجدؒ کی اصلاحی مجالس کے سلسلہ کو جوں کا توں باقی رکھنے کی تاکید کی اور یہ بھی صلاح ومشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے کسی خلیفہ سے اصلاحی مراسلت قائم کرلو، چناں چہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء ومشورہ اور حضرت اقدس خال محترم مولانا حکیم محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کی تحریک پر حضرت والد ماجدؒ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت محی السنہ ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کرلیا، اور قلبی وروحانی مراتب عالیہ سے سرفراز ہوتے رہے، آخر حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی روحانی ترقیات اور شانِ تلقینی وتربیت پر اطمینان فرماتے ہوئے ۱۴۰۴ھ میں آپ کو اپنی جانب سے توکلا علی اللہ بیعت وارشاد کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت والد ماجدؒ نے اپنے مشائخ کے اس اعتماد کی بھرپور لاج رکھی، اور دوسری ذمہ داریوں افتاء، امامت، اہتمام وقضاوت وغیرہ کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کے تھانوی مزاج کی رعایت فرماتے ہوئے ہزاروں بندگانِ خدا کی سرپرستی ورہنمائی فرمائی، بفضلہ تعالی آپ کا فیض بالواسطہ اور بلاواسطہ خصوصاً جنوبی ہند میں پھیلا ہوا ہے، سیکڑوں بلکہ ہزاروں افراد اصلاح نفوس وتزکیہ قلوب حاصل کرچکے ہیں۔

احیاءِ سنت اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہر معاملہ اور کام میں سنتوں کا اہتمام کرنا آپ کی طبیعت بن چکی تھی، وضع قطع میں ہو یا رہن سہن میں، رفتار وگفتار میں ہو یا نشست وبرخاست میں، تمام چیزوں میں آپ کی کوشش سنتوں پر عمل کی ہوتی، باہر نکلتے تو ہر وقت عمامہ کا اہتمام رہتا تھا مخصوص اعمال کے ادعیہ واذکار کا بھی بالالتزام معمول رہتا، اپنی مجالس میں بھی سنتوں کے اہتمام خصوصا وہ سنتیں جنہیں لوگ معمولی سمجھ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں، ان کی اہمیت بیان کرتے رہتے، خلاف سنت وضع قطع پر ٹوکتے اور ایسے لطیف انداز میں ٹوکتے کہ عموماً دیکھا گیا کہ آئندہ وہ شخص اس ہیئت کو بدل لیتا، اپنے مرشد حضرت محی السنہ ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتے کہ انہیں احیائے سنت کے سلسلہ میں کس درجہ فکر رہتی تھی، چناں چہ اسی فکر کا حصہ اللہ تعالی نے آپ کے اندر بھی پیدا فرمادی تھی، جس کا اندازہ ہمیں آپ کے مسترشدین اور متعلقین کے سنتوں کے ساتھ خصوصی لگاؤ اختیار کرنے سے ہوا کرتا تھا، حرمین شریفین کا جب سفر ہوتا تو مسنون اعمال کا اور تلاوت کلام پاک کا مزید اہتمام ہوجاتا، حضرات اکابر خصوصاً حضرت محی السنہؒ کے طرز عمل کو اپناتے

ہوئے اول مدینہ منورہ میں حاضری دیتے،نو دس روز قیام کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت تھی کہ مواجہہ شریف میں سلام پیش کرتے ہوئے آپ کے بے اختیار آنسو نکلتے رہتے جنہیں وہ اپنے احباب سے چھپانے کی کوشش کرتے رہتے، مدینہ پاک کے مساکین سے بھی محبت تھی، خصوصاً حرم مدنی میں عمامہ باندھے ہوئے عمر رسیدہ افغانی اور حبشی لوگوں میں آپ سیکڑوں ریال تقسیم کرتے، اور بعض صاحب نسبت بزرگوں کو لنگیاں، اصلی شہد نقد ریالوں سمیت ہدیہ پیش فرماتے، صحت کے زمانہ میں بہت دور سے چل کر حرم پہنچتے، اور کھجور وغیرہ خریدنے خود تشریف لے جاتے یہاں تک کہ جب صحت کمزور ہوئی، تو بھی وہیل چیر کے ذریعہ تشریف لے جاتے، جب ہم درخواست کرتے کہ ہم ہی کھجور اور ضرورت کی چیزیں لے کر آجائیں گے، تو فرمایا کرتے کہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم پڑے ہیں، اسی حیلہ سے ہمیں یہاں کی برکات حاصل کرنی ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کی ایک بڑی دیرینہ تمنا مدینہ پاک میں موت کی تھی، جس کا اظہار بارہا انھوں نے والدہ ماجدہ مدظلہا سے کیا تھا، وہ تمنا تو پوری نہیں ہوئی، لیکن انشاء اللہ اس کا بھرپور اجر وثواب سے وہ ہمکنار ہو گئے ہوں گے، اور رحمت الٰہی سے کیا بعید ہے کہ ان کی تڑپ کی وجہ سے آپ کو اہل بقیع کے ساتھ ہی محشور فرما دیں۔

حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند مبارک خواب

ذیل میں چند مبارک خواب ذکر کیے جا رہے ہیں، جنہیں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند متعلقین و مریدین نے دیکھا تھا، احقر راقم الحروف نے انہیں اپنی ڈائری میں نقل کر لیا تھا، ان خوابوں سے حضرت والد صاحبؒ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور اس کے بھرپور صلہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) مدرسہ.......... کے ایک طالب علم نے بیان کیا کہ ڈھائی تین سال پیشتر ماہ رمضان میں نماز پڑھ رہا تھا اور بہ حالت نماز کچھ غنودگی آئی تو محسوس ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ ''مفتی سعید احمد صاحب کو میرا سلام کہنا'' وہ طالب علم کہتا ہے کہ جب میں حضرت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلام کو پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے بھی میرے پیشانی کا بوسہ لیا اور کوئی چیز تحفہ میں دی۔

(۲) پلومیراں حاجی مسیح الدین صاحب نے بلگام سے فون پر بتایا کہ میں نے کل یعنی بتاریخ ۳/ ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر سلام پیش کرنے کے لیے میں (یعنی مسیح الدین) حضرت والا اور حضرت مولانا محمد باشاہ صاحب (صدر جمعیۃ علماء بیلگام و خلیفہ حضرت والد ماجد) کو دو وہیل چیروں پر لے جا رہا ہوں، جیسے ہی قریب ہوئے وہاں کچھ اور ہی منظر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی حضرت اور ان کے احباب کو سلام پیش فرما رہے ہیں، پھر وہاں سے باہر آئے تو میں (مسیح الدین) نے کہا کہ حضرت وضو کر لیں گے، تو حضرت کہہ رہے ہیں کہ کیوں نہ ہم اب تریکاڈ کی مسجد شفیق چلیں وہاں تو وضو کا انتظام ہے۔

(۳) بتاریخ ۱۱؍ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ مولانا مفتی طیب علی صاحب استاد جامعہ غیث الہدی بنگلور ومجاز بیعت حضرت والد ماجد کا والا نامہ پہنچا، اس میں انھوں نے ایک مبارک خواب لکھا تھا کہ ماہ رمضان المبارک میں مجھے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا تو درود پاک کی کثرت کرتے ہوئے سو گیا، خواب میں دیکھا کہ پرنام بٹ میں حضرت والا کی مسند پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حضرت والا کی ہی شکل میں ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔

(۴) احقر کے رفیق درس مولانا حافظ منی اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو پچھلے سال عید الفطر کے بعد رحلت کر گئے) نے بتاریخ ۳؍صفر ۱۴۳۷ھ فون پر بتایا کہ پچھلی شب جمعہ کو میں نے ایک مبارک خواب دیکھا کہ ہمارے حضرت (والد ماجد) کی بنگلور کے کسی مقام پر مجلس ہو رہی ہے، میں (اشرف علی) اور مولانا عبد القدوس صاحب (استاذ جامعہ غیث الہدی بنگلور ومجاز بیعت حضرت والد ماجد) حضرت کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، اچانک حضرت والا کی شکل وشباہت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے بدل جاتی ہے، اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام تشریف فرما ہیں اور زور دار آواز میں ارشادات فرما رہے ہیں، آپ علیہ السلام کچھ سوالات کرتے ہیں تو مولانا عبد لقدوس صاحب یہ آیت **قلنا یانار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم** پڑھ کر اس کا جواب دے رہے ہیں۔

حافظ صاحب موصوف نے بتایا کہ میں نے اس سے قبل بھی دو تین ایسے مبارک خواب دیکھے ہیں، جس میں ایک مرتبہ حضرت والا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت میں دیکھا ہے اور دوسری مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت والا کی شکل میں دیکھا ہے، سبحان اللہ۔

(۵) حضرت والد صاحبؒ سے خصوصی عقیدت ومحبت رکھنے والے ایک نوجوان سید فہیم صاحب سلمہ نے متعدد مرتبہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختلف حالتوں اور کیفیتوں کے ساتھ دیکھا ہے، کبھی عام حالات میں چوک مسجد میں نمازوں سے قبل امام کے مصلی سے نیچے آپ جہاں کھڑے ہو کر سنن ادا کرتے تھے وہاں آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے، کبھی آپ علیہ السلام کو والد صاحب کی گھر کی مسند میں بیٹھے ہوئے بازو میں والد صاحب کو بیٹھے ہوئے، کبھی دسترخوان میں نبی کریم علیہ السلام کو والد صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کچھ تناول کرتے ہوئے، اور کبھی نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو والد صاحب کی شکل میں عصا ہاتھ میں لیے ہوئے اور کبھی والد کو نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ کار میں کہیں تشریف لے جاتے ہوئے، اس طرح کے متعدد خواب عزیزم فہیم سلمہ نے دیکھے ہیں، جن میں سے اکثر خوابوں کو احقر تاریخوں کے ساتھ اپنی ڈائری میں لکھ رکھے ہیں، طوالت کی وجہ سے لمبی تفصیلات نہیں لکھی جا رہی ہیں۔

(۶) مدرسہ جامع العلوم آمبور کے شعبۂ حفظ کے ایک طالب علم اواخر شعبان ۳۷ھ میں حضرت والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ چند دن قبل میں نے ایک مبارک خواب دیکھا کہ چوک مسجد پرنام بٹ کے منبر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ بھی بازو ہی تشریف فرما ہیں اور آپ کا عمامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کے مشابہ ہے، ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ جمعہ کا دن ہے۔

(۷) احقر راقم الحروف نے بھی اواخر رجب ۱۴۲۵ھ میں ایک خواب دیکھا کہ کسی مسجد کی چوڑی چوڑی سیڑھیاں ہیں، ان سیڑھیوں پر حضرت والد صاحب کی شباہت والے کوئی بزرگ تشریف فرما ہیں، اچانک احقر کو احساس ہونے لگتا ہے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، احقر خواب ہی میں تعجب کر رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت والد صاحب کی شباہت میں ہیں، سبحان اللہ۔

(۸) بتاریخ ۲۶؍محرم ۳۷ھ کی شب احقر نے ایک طویل مبارک خواب دیکھا افسوس کہ اس کا کچھ حصہ ہی یاد رہا کہ احقر حضرت والد ماجدؒ کے ہمراہ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دے رہا ہے، آپ روضہ سے ذرا دور کھڑے ہو کر نہایت مؤدبانہ سلام پیش کرتے ہیں اور عقیدت ومحبت کے بھرپور کلمات پیش کرتے ہیں، وہ کیا کلمات تھے احقر کو یاد نہیں، تاہم احقر کو احساس ہو رہا ہے کہ اب آپ الوداعی سلام پیش کر کے رخصت ہو رہے ہیں، پھر وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے بار بار پلٹ کر روضۂ مبارک کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے غمناک ونمناک آنکھوں سے واپس لوٹ رہے ہیں، باہر نورانی چہرے والے عمامہ باندھے ہوئے افغانی اور کالے رنگ کے شیوخ بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت والد صاحبؒ ان حضرات کی خدمت میں نہایت عاجزی سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار فرما رہے ہیں، وہ حضرات بس اشاروں سے جواب دے رہے ہیں۔

(۹) بتاریخ ۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ والد صاحبؒ کے ایک عاشق زار مرید شاہ الحمید صاحب مرحوم، کے جی یف نے بتایا کہ پرسوں رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت پر رونق دریا کے ساحل پر حضرت الاستاذ مولانا فاروق احمد صاحب مدظلہ دعا میں مشغول ہیں، اور حضرت (والد صاحب) مسکراتے ہوئے دریا کے کنارے سے گذر رہے ہیں، میں، حضرت سے کہہ رہا ہوں کہ کتنا پرنور منظر ہے؟ حضرت اس کا جواب دیتے ہیں، اتنے میں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بشارت سنا رہے ہیں، میں اس کو سن تو رہا ہوں، لیکن آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔

خلوص وللّٰہیت

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی بھر کی خدمات کا جائزہ لیں تو آپ کی مقبولیت ونافعیت کا راز آپ کا خلوص وللّٰہیت ہے، ریا کاری کے کاموں سے آپ کو سخت نفرت تھی، آپ کی اکثر مجالس تقوی اللہ اور اخلاص کے عنوان پر ہوا کرتیں، جو ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا کامل مصداق ہوتی تھیں، مجالس میں بہت سادھی زبان میں نصیحت کرتے جو خلوص وللّٰہیت اور دل کے درد وسوز لیے ہوئے ہوتی، ہم نے خود بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ ان مجالس میں بیٹھ کر بہت سے لوگ رو رہے ہوتے، بعضوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں، ان ہی مجالس کی برکت سے ہم نے سینکڑوں کی زندگیوں میں انقلاب دیکھا، بہت سے دفتری ملازمین کو اپنی ماضی کی کوتاہیوں کی تلافی میں لاکھوں روپے اپنی کمپنیوں کو واپس کرتے ہوئے دیکھا ہے، بہت سے نفسانی خواہشات کے پجاریوں کو اپنے ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ کرتے ہوئے، بیقرار ہوتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے اور بہت سے اٹھے ہوئے فتنوں کو دبتے ہوئے

دیکھا ہے، آپ کے مخالفین بھی آپ کے خلوص وللّٰہیت کا انکار نہیں کر پاتے تھے، کٹر قسم کے مسلکی تعصب رکھنے والے افراد بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، شب براءت کا انکار کرنے والے افراد بھی مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر شب براءت اور شب قدر میں آپ کی پرسوز اور مستجاب دعاؤں میں شریک ہوتے تھے، تنہائی میں آ کر وہ لوگ اپنی پریشانیوں کے دفعیہ کے لیے دعاؤں کی درخواست کرتے اور پڑھنے کے لیے وظائف لے جاتے تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کام بھی کرتے اللہ کے لیے کرتے تھے، اپنے متعلقین کو اسی بات کی تاکید کرتے، اپنے مدرسہ میں تمام اساتذہ اور کارکنان کو وقتاً فوقتاً تحریر یا تقریر کے ذریعہ اسی خلوص وتقوی کی تاکید کرتے، اور مدرسہ کے جلسوں یا کوئی اور موقعوں میں ریاکاری والے افعال سے بچے رہنے کی تاکید فرماتے، فرمایا کرتے تھے کہ ''مدرسہ میں طلبہ کی علم وتربیت کے ذریعہ افراد سازی اور ان کے قلوب میں تقوی کا بیج بونے کی طرف خاص دھیان دیں، اللہ تعالی اس کی برکت سے مدرسہ کا نام روشن کردے گا، صرف ظاہری بناؤ سنگھار اور ریاکاری والے اعمال سے مکمل پرہیز کریں۔''

الحمدللہ حضرت کی اس خلوص، فکر اور انتھک کوششوں اور حضرت بانی مدرسہ جد امجدؒ اور دوسرے سابق مخلص خدام اور مدرّسوں کے خلوص کا ثمرہ ہے کہ آج بھی مدرسہ وصیۃ العلوم اپنے دینی، علمی، فقہی، دعوتی، ارشادی، ملی وسماجی خدمات کی وجہ سے پورے علاقہ میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے، اور بفضلہ تعالی دین وملت کے اکثر شعبوں میں اس کی خدمات بالواسطہ یا بلاواسطہ جنوبی ہند کے اکثر علاقوں میں جاری وساری ہیں۔

آپ بڑے وسیع الظرف تھے، تعصب سے پاک ذہنیت تھی، خاندان وبرادری کا لحاظ تو فرماتے، لیکن علمی ودینی قیادت کے مسئلہ میں صلاحیت وقابلیت اور خلوص وتقوی کو مدنظر رکھتے اور ہمیں بھی اسی کی تلقین فرماتے، اس سلسلہ میں اپنوں کے طعنوں کو بھی برداشت کرلیتے۔

ایک مرتبہ مدرسہ میں عہدوں کی تقسیم عمل میں آئی تو اس موقع پر آپ نے ہمیں بڑی مؤثر ترین نصیحتیں فرمائیں، اور حضرت دادا صاحبؒ کا مدرسہ کے دستور کی کاپی میں اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک ملفوظ بھی ہمیں پڑھ کر سنایا افادۂ عام کی خاطر یہاں اس کو نقل کیا جارہا ہے:۔

ایک بڑے کام کی بات

ملفوظ خاص از مرشدی حضرت اقدس مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

فرمایا کہ: یہ جو میں آپ لوگوں کبھی کبھی کچھ کہتا رہتا ہوں، یوں ہی بلا وجہ نہیں کہتا، بلکہ سمجھ بوجھ کر اور حالاتِ زمانہ کا برأی العین مشاہدہ کرنے کے بعد ضرورت محسوس کرکے کہتا ہوں، کیوں کہ کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کا حال فاسد ہوگیا، دنیوی جگہوں کے علاوہ ہمارے دینی مراکز بھی اس کا شکار ہوتے جارہے ہیں، جہاں کہیں دو چار آدمی

بھی جمع ہوئے تو ان میں اختلاف ہوا، کسی کام کو شروع کیا نہیں کہ اس کا انجام فساد کی شکل میں ظاہر ہوا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اپنا کوئی مرکز نہیں ہوتا، اور نہ کسی کو بڑا بناتے ہیں، کہ اس کی بات پر سب متفق ہو جائیں، لوگوں کی طبائع چوں کہ مختلف ہوتی ہیں، اس لیے ان میں اختلاف کا ظاہر ہونا ناگزیر ہوتا ہے، لہٰذا اس سے محفوظ رہنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ آدمی کسی ایک کو اپنا متبوع بنالے اور بوقت اختلاف سب لوگ اپنی اپنی طبیعت اور اس کے تقاضہ کو ترک کرکے اپنے اس متبوع کے طریقہ کو اختیار کرلے، بس پھر کبھی اختلاف نہ ہوگا، الخ۔ (معرفت حق، بابت اکٹوبر۱۹۷۲ء، شعبان ۱۳۹۲ھ، ص:۱۷)

حضرت والد صاحبؒ کی ہمیشہ ہمیں اور اپنے متعلقین کو یہ نصیحت رہتی کہ ''لوگوں کی تعریفوں سے ہرگز نہیں پھولنا چاہیے، بلکہ اپنے عیوب کو مستحضر رکھ کر اپنی حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے، اس موقع پر آپ اپنے والد صاحب کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ملک کی ایک بڑی علمی شخصیت کا کئے سال پہلے علاقۂ مدراس کا دورہ ہوا تھا، غالباً پرنام بٹ میں بھی ان کا پروگرام ہوا، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے پاس بغرض ملاقات تشریف لائے، اثنائے گفتگو انھوں نے والد صاحب سے کہا کہ ''آپ اس علاقے کی مشہور و معروف شخصیت ہیں، جہاں بھی جاتا ہوں، آپ کا ہی ڈنکا بج رہا ہے''، حضرت والد ماجد مفتی محمود صاحبؒ نے کہا: لوگوں کی باتوں کا کیا اعتبار، ادھر میرا حال یہ ہے کہ ایک نماز پڑھا کر آتا ہوں، تو دوسری نماز تک بھی مجھے امید نہیں رہتی کہ امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں''؟ حضرتؒ اس واقعہ کو سنا کر ہمیں نصیحت فرماتے دیکھو میرے والد کا کس درجہ خلوص تھا کہ کسی کی تعریف سے ہرگز اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھے اور لوگوں کی تعریف کا بھی کوئی اعتبار نہیں کیا۔

تقوی وطہارت

عموماً آپ کی کوئی مجلس تقوی کے ذکر اور اس کی اہمیت سے خالی نہیں رہتی، اس موضوع پر آیات قرآنیہ واحادیث مبارکہ واقوال سلف کو دلنشیں انداز میں پیش فرماتے، اور واقعات کی روشنی میں حضرات اکابر و سلف صالحین کے تقوی کو ذکر کرتے، بفضلہٖ تعالی حاضرین ومتوسلین اپنے دل و دماغ میں ایک گہرا اثر لے کر رخصت ہوتے، اور اگلی چند مجالس میں شرکت کے بعد تقوی کے اثرات ان حضرات کے ظاہر سے ہی نمایاں محسوس ہوتے، جو لوگ ابتداء میں آپ کی مجلسوں میں اس غرض سے آتے تھے کہ دنیوی پریشانیوں اور مشکلات کے حل کے لیے آپ سے دعاؤں کی درخواست کریں اور وظائف کو پوچھیں، چند مجلسوں میں شرکت کے بعد اب وہی لوگ فکر آخرت سے متعلق سوالات کرنے لگتے کہ ''ہم سے گناہ کیوں کر چھوٹ سکتے ہیں؟ بدنگاہی سے کیسے بچیں؟ وغیرہ، یہ دراصل آپ کی فیض صحبت کا نمایاں اثر تھا کہ چند ایام میں آخرت کی فکر غالب ہونے لگتی تھی۔

ورع وتقوی کے اعلی درجہ پر آپ فائز تھے، خلاف احتیاط بات سے ممکنہ حد تک اجتناب کرتے، مشتبہ مال اور کھانے سے بھی اپنے کو اور اپنے اہل وعیال و متعلقین کو بچایا کرتے، نامحرم عورتوں سے پردہ میں بھی بات کرنا گوارا نہیں ہوتا، کوئی پریشان حال

عورت آپ کو فون کرتی تو آواز سن کر فوراً فون والدہ محترمہ کے حوالہ فرما دیتے اور ان کے ذریعہ سے اس کی پریشانیوں کا حل کہلواتے ،حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کے حوالہ سے اپنے بیانات اور مجالس میں شرعی پردہ کی اہمیت بیان کرتے رہتے ،خصوصاً ماموں زاد، خالہ زاد، چچازاد اور پھوپھی زاد بہنوں سے بھی پردے کی اہمیت وقتاً فو قتاً بیان فرماتے تھے،اور عملاً اپنے گھرانے میں بھی شرعی پردے کو خوب رواج دیے، جس کا مثبت اثر یہ ہوا کہ کئی ایسے احباب ومتوسلین کے گھروں میں بھی اب شرعی پردوں کا اہتمام ہونے لگا ہے جہاں ایسا ماحول پہلے نہیں تھا، امرد اور بے ریش لڑکوں کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے تھے، اگر کوئی امر دلڑکا اپنی کسی پریشانی کا اظہار کرتا اور درخواست دعا کرتا تو نظر نیچی کر کے اس کا جواب دیتے، جب عورتیں آپ سے پانی دم کروانے اور تعویذات ووظائف لینے آتیں تو مجلس میں حاضر کوئی طالب علم یا نوعمر لڑکا ان سے بوتلیں لے کر آپ کے پاس آتا تو اس کو یہ تاکید فرماتے کہ ’’نگاہیں نیچی رکھ کر ان عورتوں کے پاس جاؤ، اور جو وہ بولتیں صرف سن کر میرے پاس آ کر بولو، تم ان سے بولو مت‘‘۔

گھروں، دکانوں اور کمپنیوں کے افتتاح کے مواقع پر آپ کو دعا کے لیے بلایا جاتا تو آپ بخوشی قبول فرماتے ،لیکن وہاں اگر منکرات دیکھتے تو ٹوکنے اور روکنے سے گریز نہ فرماتے ،لیکن ایسی دکانوں اور اور فیکٹریوں میں دعا کرنے سے صاف انکار کر دیتے جہاں عورتیں آتیں جاتیں اور ملازمت کرتیں ہوں، اس موقع پر آپ فرما دیتے کہ ان جگھوں میں چوں کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ برائیوں اور بے حیائیوں کا وجود ہے، اس طرح آپ اس قباحت کو لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے ،لڑکیوں کو اسکولی تعلیم سے آگے کالجوں کی تعلیم کے آپ سخت مخالف تھے، جو بھی اس تعلق سے آپ سے مشورہ کرتا، اس کو سختی سے روک دیتے اور فرماتے اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے ہیں، خصوصاً آج کے پرفتن دور میں‘‘۔

اولاد کی تربیت

اپنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ اولاد کی تربیت وتعلیم کے لیے بھی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ وقت نکالا کرتے تھے، چھوٹی بہنوں کو ان کے بچپن کے زمانہ میں، دلچسپ قصوں اور سبق آموز واقعات سنا کر کھانا کھلانا، اسباق کو یاد دلانا یا لکھوانا وغیرہ بھی آپ کی گھریلو مصروفیات میں شامل تھیں، ہم میں سے کوئی شرارت کرتا یا اس سے کوئی غیر اخلاقی حرکت صادر ہوتی تو اولاً ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیتے ضرورۃً ہی ہلکی سی مار وغیرہ سے سزا دیتے، اور الحمد للہ زبانی تنبیہ اور ڈانٹ ہمیں کارگر ہو جاتی اور ایسی مفید ثابت ہوتی تھی کہ دوبارہ ہم اس غلطی کا اعادہ نہیں کر پاتے تھے۔

اتنی باریک بینی سے ہماری تربیت ہو رہی تھی کہ مدرسہ کو آتے جاتے ہوئے بھی خصوصی نگرانی ہوا کرتی، گھر لوٹنے میں ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو اس کی باز پرس ہوتی اور تاخیر پر باز پرسی اب تک بھی باقی رہی، مدرسہ سے یا مسجد سے لوٹنے میں معمول وقت سے کچھ بھی تاخیر ہوتی تو ہمیں اس کی وجہ ضرور بتانا ہوتا تھا، مدرسہ میں ہمارے اساتذہ سے وقتاً فو قتاً آپؒ ہمارے تعلیمی واخلاقی احوال دریافت کرتے رہتے ، جب ہم شعبۂ حفظ کے ابتدائی دور میں تھے اور ہمیں چند طلبہ کے بد اخلاقی کے احوال معلوم ہوئے تو ہم دونوں

بھائیوں نے ان طلبہ کی اساتذہ سے بڑھ چڑھ کر شکایت کی، ارباب مدرسہ نے جرم ثابت ہونے پر ایک دو طلبہ کا اخراج بھی کیا، لیکن اس کے دوسرے یا تیسرے دن استاذنا المعظم حضرت اقدس مولانا فاروق احمد صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث وصدر المدرسین ہم دونوں کو حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے اور فرمایا کہ ''ان بداخلاق طلبہ کی بداخلاقی اپنی جگہ، لیکن ان دونوں کو کیا ضرورت پڑی کہ ان کے معاملہ میں پڑیں، ان کے احوال میں جھانکیں اور شکایت کرتے پھریں''، حضرت والد صاحبؒ نے اس موقع پر ہماری خوب خبر لی۔

بہرحال حضرت والد صاحبؒ اور اساتذہ بالخصوص حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے ہماری ایسی تربیت کی کہ اس کے بعد الحمدللہ ہم دونوں بھائیوں کا مزاج یہ بن گیا کہ اس قسم کے فتنہ سامان جھمیلوں میں نہیں پڑتے، حضرت والد صاحبؒ کی ہمیں یہی صلاح ہوتی تھی کہ کسی عہدہ ومنصب کے چکر میں نہ پڑو، ہاں منجانب اللہ تمہیں کوئی عہدہ سپرد کیا گیا ہو اور اس کا تم حق بھی ادا کر رہے ہو، لیکن بغض وعناد اور حسد کی وجہ سے تمہارے خلاف کوئی محاذ کھڑا کر دیا گیا ہو تو تمہیں سنجیدہ انداز میں دفاع کا حق ہے، اور عملاً حضرت نے ہمیں بتادیا کہ سنجیدہ انداز میں دفاع کیا ہوتا ہے؟

جس چیز کو آپ غلط اور نامناسب سمجھتے، اپنی اولاد اور متعلقین کے لیے بھی اسے نامناسب سمجھتے، بالوں کی تراش خراش، وضع قطع، لباس وغیرہ کے سلسلہ میں خصوصی نگرانی فرماتے تھے، اپنے ہم عمر طلبہ یا رشتہ دار بچوں سے متاثر ہو کر جب ہم لباس میں تنوع اختیار کرنا چاہتے تو ایسے انداز میں ہماری اصلاح فرماتے کہ ہمارا ارادہ ختم ہو جاتا، ہم پھر وہی سادہ لباس پہن لیتے جو ہر قسم کے ڈیزائن اور استری سے خالی رہتا، ایک مرتبہ ہمیں ہاتھوں میں گھڑی ڈالنے کا شوق سوار ہوا، غالباً عید یا کسی موقع پر ہاتھوں پر گھڑی ڈال لیے تھے تو ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ ''ہمارے والد صاحب کے دور میں ہمیں اس طرح ڈالنے کی ہمت نہیں ہوئی۔''

بس اس کے بعد سے الحمدللہ اس کی اہمیت ہمارے قلوب سے اس درجہ نکل چکی کہ ایک سے زائد ہمارے پاس دستی گھڑیاں موجود رہتیں، لیکن کبھی بھی اس کے پہننے کی طرف نہ خواہش ہوئی، نہ توجہ، بلکہ اپنی جیب میں پین رکھنے کی بھی خاص رغبت نہیں ہو پاتی۔

یاد نہیں کہ ہمارے سامنے آپ نے کبھی ہماری تعریف وتوصیف کی ہو، اگر کوئی ہماری کسی خدمت پر تعریف بھی کرتا تو اس کا تذکرہ تک ہم سے نہیں کرتے، بلکہ ہماری تدریس وافتاء، تقریر وتحریر اور امامت وغیرہ کے تعلق سے کوئی قابل اصلاح چیز محسوس کرتے تو اس انداز میں ہماری خبر لیتے اور ناگواری کا اظہار کرتے کہ ان خدمات کی وجہ سے اگر ہمارے اندر کچھ پندار اور بڑائی کا عنصر پیدا ہو چکا ہوتا تو وہ اتر تا محسوس ہوتا، اور ہماری نظروں میں اپنی حقیقت ہیچ نظر آتی، ایک مرتبہ احقر نے رمضان المبارک میں وتر کی نماز ایک نئے لہجے سے پڑھائی اس میں یہ غلطی کیا کہ دوسری رکعت میں سورہ نصر اور تیسری میں سورہ الاخلاص پڑھ دیا،

درمیان میں سورہ تبت یدا کا فصل کردیا، جیسے ہی گھر واپس ہوا تو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ ''ایسی مکروہ چیزوں کا ارتکاب کرکے کیا ضرورت پڑی تجھے نئے نئے لہجے اٹھانے کی''اس وقت احقر نے خوب محسوس کیا کہ یہ دراصل حضرت والد صاحب کو احقر کی اندرونی کیفیت کا پتہ چل گیا ہے کہ یہ عجب میں مبتلا ہوگیا ہے، بس اصلاح کا ایک بہانہ مل گیا۔

اولاد کے سلسلہ میں آپ کی یہ نگرانی اور جانچ اپنی اخیر حیات تک باقی رہی کہ ہم اپنی خدمات کو صحیح انجام دے رہے ہیں یا نہیں؟ حتی کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بھی یاددہانی مسلسل ہمیں کرتے رہتے، مثلاً ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنے اور عیدین کی نمازوں میں زائد تکبیروں کو یاد رکھنے کے لیے ایک دو دن پہلے سے ہی وقتاً فوقتاً ہمیں ذہن نشین کرتے رہتے، اہم مواقع میں ہم کیا تقاریر کریں گے؟ انھیں آپ کو پہلے سے دکھانا ضروری ہوتا، آپ کی یہ توجہ ہمارے ساتھ سخت بیماری کی حالت میں بھی قائم تھی۔

الغرض حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ نے اپنی اولاد کی جو مثالی اصلاح وتربیت فرمائی تھی، اس کی چند مثالیں ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تربیت اولاد کے تعلق سے کس درجہ وہ حساس تھے، یہ عاجز اگر یہ بات دعوی سے کہے کہ برسوں تک مشائخ اپنے مریدین کا مجاہدے کرواکر جو تزکیہ وتربیت فرماتے تھے، حضرت والد صاحبؒ اس انداز میں اپنی اولاد کی تربیت فرمائی تھی کہ ظاہر کی آراستگی کے ساتھ باطن کے تزکیہ کی بھی پوری کوشش فرمائی تھی، تو یہ دعوی انشاء اللہ جھوٹا نہیں ہوگا، اور ہماری تربیت میں والد صاحبؒ کے ساتھ محترمہ والدہ صاحبہ مدظلہا نے بھی زبردست رول ادا کیا تھا، وہ ہمارے تمام اعمال کا جائزہ لیتیں اور اور ہر حرکت وسکنت پر نظر رکھتیں اور بھرپور اصلاح فرماتیں، اپنی اولاد کی تربیت واصلاح کے معاملہ میں وہ کسی بھی غلطی کو نظر انداز کرنے کی روادار تھیں اور نہ ہیں، اللہ تعالی ان کے سایۂ عاطفت ورحمت کو بخیر وعافیت دراز فرمائے، ہم سب کو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا بہت بڑا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو اس قابل بنائے کہ آخرت میں والدین ہماری وجہ سے شرمندہ نہ ہوپائیں، **اللهم آمین**۔

صبر وحلم

عادۃ اللہ یہی ہے کہ جو بارگاہ خداوندی کے جتنا زیادہ مقرب ہوتا ہے اسی قدر اس پر حالات ومصائب کا ابتلا ہوتا ہے، اور زمانۂ ابتلاء میں مبتلی بہ شخص جس درجہ صبر وتحمل کا مظاہرہ ظاہراً وباطناً کرتا اور راضی بقضاء رہتا ہے، اسی قدر مقبول عنداللہ شمار کیا جاتا ہے، احقر راقم الحروف اپنے سن شعور کے بعد چالیس سالوں سے حضرت والد صاحب کو مختلف حالات وآزمائش میں مبتلا رہتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور مسلسل ان میں اضافہ ہی ہورہا تھا، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا، کبھی خانگی مسائل کے سلسلہ میں تو کبھی اپنی صحت کی خرابی کے تعلق سے، کبھی اپنوں کے طعنوں کی وجہ سے تو کبھی اغیار کی عداوت کی وجہ سے، کبھی کسی کی ضرر رسانی کی وجہ سے تو کبھی بے جا اعتراضات کی وجہ سے، کبھی کچھ، کبھی کچھ۔

بہرحال احقر مسلسل چالیس سالوں سے مذکورہ مختلف مسائل سے حضرت والد صاحب کو مع اہل خانہ دوچار ہوتے ہوئے

دیکھتے آرہا ہے، والد صاحبؒ کے علاوہ کوئی دوسرا ان مصائب وامراض اور ذہنی الجھنوں سے اگر دو چار ہوتا تو صدمات میں مبتلا ہوکر نہ جانے اس کی حالت کیا ہوچکی ہوتی؟ لیکن یہ مردمومن سراپا خلوص وللّٰہیت، صبر وتحمل اور حلم وبردبار کے پیکر تھے، جو کچھ کرتے تھے، اللہ کے لیے کرتے تھے، اللہ کی خصوصی تائید ونصرت ان کے ساتھ تھی، سخت تشویشناک حالات میں بھی نہ ان کی امامت میں کوئی فرق آیا نہ قیادت میں، اور نہ ان کے تقوی وتوکل میں کوئی خاص فرق آیا، جب تک آپ کے مرشد حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ صحت مند تھے، حضرت والد صاحب جملہ احوال لکھ کر ان سے صلاح وہدایات لیتے تھے، اور دعائیں لیتے تھے، حضرت ہردوئیؒ سے علالت کی وجہ سے مکاتبت مشکل ہوگئی تو حضرت عارف باللہ قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جس وقت یہاں تشریف لاتے تو بہت سے امور میں مشورے اور ہدایات لیا کرتے، اور مزید خصوصی مشیروں سے بھی مشورے لیتے تھے۔

الغرض تدبیر کے درجہ میں آپ یہ سارے کام کرتے تھے، اپنے اور اپنے اہل خانہ کا محاسبہ بھی کرتے تھے، قابل اصلاح امور کی اصلاح کرواتے تھے، بعض دفعہ آپ نے مخالفین کے طعن واعتراضات پر عزت نفس کی خاطر دفاعی انداز میں بعض اعتراضات کی وضاحت بھی پیش کی، لیکن جب آپ نے محسوس کیا کہ اس وضاحت سے مخالفین کی جانب سے اچھالے جارہے کیچڑ کے چھینٹے اڑکر مزید نقصان پہنچا سکتے ہیں اور دامن کو داغدار بنا سکتے ہیں تو سکوت اختیار فرمالیا، اپنے اہل خانہ اور محبین ومتعلقین کو بھی خاموش کردیا اور اللہ کے حضور اپنا معاملہ رکھ دیا۔ اور ایسا صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا کہ جس میں نہ آپ کو کسی قسم کی گھبراہٹ طاری تھی، اور نہ کوئی خاص پریشانی، بلکہ آپ کے چہرہ میں ایک طرح کا سکون محسوس کیا جارہا تھا، گویا زبان حال سے فرمارہے تھے، ''میرا تو مددگار اور حامی اللہ ہے، مجھے کسی قسم کا ڈر وخوف نہیں''، بعض دفعہ ہم اہل خانہ مخالفین کی سازشوں سے گھبرا جاتے تو حضرت والد صاحب ہمیں تسلی دیتے کہ ''کیوں تم لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوگئے ہو، بس اللہ کے پاس یہ ساری چیزیں رکھ دو اور فلاں وظیفہ پڑھتے رہو''، اور کبھی فرماتے کہ ''یہ ہمارے خلاف پریشان کن باتیں جو آرہی ہیں کچھ نہیں ، ہمارے اکابر مثلاً حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کے خلاف کیسا کچھ نہیں کیا گیا، ان کے خلاف بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں، اور کفر کا فتوی سب کچھ دیا گیا وغیرہ'' اور کبھی فرماتے کہ ''ان چیزوں سے اور اللہ سے قریب ہونے کا موقع آجاتا ہے۔''

بہر صورت حلم وبردباری اور صبر وتحمل حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے فطری اوصاف میں سے تھے، ایسے مواقع پر حضرت والد صاحب نے بے مثال صبر وحلم کے نمونے پیش کیے، بیماری کے ایام میں بھی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صبر واستقامت کی کیفیت اپنی مثال آپ تھی، پانچ سال کے عرصہ میں تین چار مرتبہ ای سی یو میں داخل ہوئے، سخت نگہداشت والے کمرے میں بھی تعلق مع اللہ قائم رہا، تسبیحات اور تلاوت کا اہتمام اور دوسرے وظائف ومعمولات جو آپ کو حفظ تھے، ان کا اہتمام تھا، جب ہم جاتے تو بس انہیں نمازوں کے قضا ہونے کا افسوس تھا، اس لیے کہ وہاں تیمّم وغیرہ کا اہتمام بھی مشکل تھا، بار بار ہم

سے اور ڈاکٹروں سے دریافت کرتے کہ کب دوسرے وارڈ میں منتقل کرایا جائے گا، جب دوسرے وارڈ میں منتقل کرایا جاتا تو سب سے پہلے پاکی کا اہتمام فرماتے اور وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر چھوٹی ہوئی تمام نمازوں کی قضا فرماتے، قرآن منگواتے اور بڑے درد کے ساتھ چار پانچ یوم تک نمازوں اور ترتیب سے تلاوت وغیرہ کے چھوٹنے پر افسوس کا اظہار فرماتے، بیماری کے دوران لوگ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لاتے تو انہیں اپنی بیماریوں کا تفصیلی تذکرہ بالکل نہ کرتے، کہیں تکلیف بھی ہو رہی ہو تو اس کا اظہار بھی نہ کرتے، ان لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو بالکل صحت مند ثابت کرتے، باہر آ کر لوگ آپس میں تبصرہ کرتے رہتے کہ حضرت تو بالکل صحت مند نظر آرہے ہیں، حالاں کہ آپ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ زمین میں قدم رکھنا اور لیٹنے کے بعد کروٹ بدلنا بھی مشکل ہو رہا تھا، ادھر مہمانوں کی آمد آمد تھی، جب تک آپ کپڑے تبدیل کر کے کرسی میں نہیں بٹھا دیے جاتے، اس وقت تک کسی کو آنے کی اجازت نہ دیتے تھے، بعض مرتبہ ہم میں سے کوئی عرض کرتا کہ آپ ایسے ہی لیٹے رہیے مہمان آئیں گے ملاقات کر کے چلے جائیں گے یہ تو ہمارے اکابر کا بھی تو طریقہ تھا، حضرت والد صاحب اس پر ناراض ہوتے اور فرماتے کہ وہ اکابر کو زیب دیتا تھا، ہمیں نہیں، ہم اکابر میں سے نہیں ہیں، اللہ اکبر! اس حالت میں بھی آپ کی فنائیت اور صبر واستقامت کا یہ حال تھا، جب ہم آپ کی خدمت میں لگے رہتے تو مدرسہ ومسجد اور دوسرے امور سے متعلق احوال ہم سے دریافت کر کے ہماری دلجوئی فرماتے رہتے، مجلس بڑی دلچسپ بن جاتی، اور الحمدللہ ہمیں کسی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہو پاتا، بلکہ ایک بڑے اجرِ عظیم کے امیدوار بن کر خدمت انجام دیتے رہتے، اس بیماری کی حالت میں بھی آپ دار الافتاء سے آئے ہوئے فتاوی کو بغور پڑھتے اور تصویب فرما کر دستخط فرماتے، اگر کہیں آپ کو اشکال رہتا تو احقر کے حوالہ کر کے درست کر کے لانے کا حکم دیتے، اسی حالت مرض میں آپ مدرسہ کے جملہ امور سے متعلق احوال سنتے اور مشوروں سے نوازتے اور اصلاحی مراسلات کے بھی جوابات لکھتے، اہم لوگوں کو پانی پر دم کر کے دیتے، مریدین ومتوسلین کے احوال بھی انفرادی طور پر سنتے، الغرض حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے جو مناصب اور ذمہ داریاں تفویض کیے تھے، ان میں سے اکثر کو آخر دم تک جیسا کچھ ہوسکتا تھا پورے صبر واستقامت کے ساتھ انجام دیتے رہے، ہم میں سے کسی سے بھی اپنی کسی ذمہ داری سے متعلق یہ کبھی نہیں فرمایا کہ ''آج سے تم یہ ذمہ داری سنبھال لو'' اور نہ ہمیں کسی کام کو مستقلاً کرنے کا حکم دیا، جب دل کا دورہ پڑا اور حضرت کو مسجد آنا دشوار ہوگیا، تو مسجد کے متولی عالی جناب الحاج چنا نے عبدالوہاب صاحب دام اقبالہ اور دیگر ذمہ دار آ کر احقر کو دو تین وقت کی امامت کا موقع دینے کے لیے اصرار کیے تو حضرت نے فرمایا کہ خیر آپ کے اصرار پر عارضی طور پر میں اس کو تین وقت کے لیے مقرر کرتا ہوں، پھر اگر اللہ نے مجھے صحت دے دیا تو میں خود مسجد آ کر ان شاء اللہ نماز پڑھاؤں گا، چناں چہ مسجد کے ذمہ دار حضرات نے بھی حضرت کے اس وعدہ کی لاج رکھی اور آپ کی وفات تک دفتر کی رجسٹری میں پیش امام کی جگہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی درج رکھا تھا، اور آپ کی نیابت کی جگہ مولانا مبین صاحب زید مجدہ کا نام تھا، احقر کا نام کہیں درج نہیں تھا۔

بہر حال حضرت والد صاحبؒ کی دلی تمنا تھی کہ برسوں سے منجانب اللہ جو مناصب اور عہدے عطا ہوئے ہیں، انہیں حتی الوسع انجام دیتے ہوئے اللہ کے دربار میں سرخرو ہوکر پیش ہوں، اور مخلص وصادق خدام دین کے زمرہ میں اپنا نام شامل کرلیں، اللہ تعالی نے آپ کی یہ تمنا پوری فرمادی، آپ کے جملہ ذمہ داریاں کسی نہ کسی درجہ میں بحسن وخوبی پورے ہوتے رہے، اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی۔

ناموافق احوال کے دوران چند مبارک خواب

جس وقت آپ پر شدید قسم کے حالات آئے، پھر بیماریوں کے حملے ہوئے، تو چند مبارک خواب جو آپ نے یا آپ کے متعلقین نے دیکھا تھا، جنھیں دیکھ کر یا سن کر آپ کو قدرے اطمینان حاصل ہوا تھا، اور تسکین کا سبب بنا تھا، اور آپ کی رضا بالقضاء اور صبر واستقامت کی کیفیات میں اضافہ کا باعث بنا تھا، چند خواب یہاں درج کیے جارہے ہیں، اور ''محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان کے ذیل میں جو خواب ذکر کیے گئے تھے ان میں سے اکثر ان ہی مذکورہ احوال کے دوران نظر آئے تھے۔

(۱) بتاریخ ۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ بروز بدھ احقر بعد نماز فجر گھر پہنچا تو حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رات.....کا فون آیا تھا وہ بدخواہوں کی شرارت کا ذکر کررہے تھے، فون کرنے کے بعد بھی بہت دیر تک ان شرپسندوں کا خیال رہا اور اللہ تعالی سے ان کے فتنوں سے حفاظت کی دعائیں کرتا رہا، کل شام سے ہی مجھے پیٹ میں کچھ نفخ (گیس کا دباؤ) تھا، اس کے لیے دوائیں بھی استعمال کیا، پھر سونا چاہا تو فتنوں اور شرارتوں کے تصور سے بہت دیر تک نیند نہیں آئی، بس میں دعائیں کرتا رہا، جب نیند لگی تو یوں نظر آیا کہ ''کوئی دوا میرے پاس آئی ہے، مجھے کہا جارہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دوا لائی ہے، یہ تمہارے نفخ کے علاج کے لیے ہے، اچانک وہ دوا ایک چھوٹی سی اسکوٹر کی شکل میں بدل جاتی ہے، پھر مجھے معلوم ہورہا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ تک پہنچ گئے ہیں، اور مجھ سے کہا جارہا ہے کہ اس اسکوٹر کو فلاں عزیز.....کو دےدو، میں سوچ رہا ہوں کہ میرے دوسرے اعزاء کو بھی اس قسم کی اسکوٹر ملے تو بہت اچھا رہے گا، اتنے میں نیند سے بیدار ہوگیا اور بہت دیر تک میری زبان میں یہ آیت جاری تھی۔ **جاء الحق وزھق الباطل۔**

احقر سعدی عفی عنہ نے غور کرنے کے بعد حضرت والد صاحب اور والدہ محترمہ سے عرض کیا کہ میرے ذہن میں اس خواب کی یہ تعبیر آرہی ہے کہ ان دنوں مفسدین کی شرارت نفخ کے مماثل ہے، ایسے مواقع میں حضرت جبرئیل کا آنا اللہ کی تائید ونصرت کو بتلارہی ہے، اسکوٹر چوں کہ اس کے ذریعہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آدمی تیزی سے پہنچتا ہے، اور مکہ مکرمہ تک پہنچنا دراصل رضائے الہی کی طرف اشارہ ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ یہ پریشانیاں جو آئی ہیں بس عارضی ہیں ایسے موقع پر اللہ کی طرف سے خصوصی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہے، بہت جلد ہم انشاءاللہ ترقیات کی منزلیں طے کریں گے، جو آگے رضائے کاملہ کا سبب بنیں گی، مزید اس کا بہترین صلہ بعض اعزہ بھی پائیں گے، ترقی علم وعمل، تقوی وطہارت اور بلند اقبالی کی صورت میں، اور

مفسدین کی شرارتیں سراسر باطل ہیں جو عنقریب مٹ کر رہیں گی، جس کی طرف آیت کریمہ مشیر ہے۔

یہ تعبیر سن کر حضرت والد صاحبؒ اور والدہ صاحبہ مدظلہا کو قدرے سکون واطمینان حاصل ہوا۔

(۲) ماہ ربیع الثانی ۳۹ھ میں مولانا زہیر صاحب عمری رحمۃ اللہ علیہ آمبور سے تشریف لائے، انھوں نے احقر سے بتایا کہ ابھی عمرہ کے سفر کے موقع پر مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے حضرت والد صاحب ایک جگہ تشریف فرما ہیں، میں انہیں خوش الحانی سے یہ آیت پڑھ کر سنا رہا ہوں۔ **سنة اللّٰه التی قد خلت من قبل ج ولن تجد لسنة اللّٰه تبدیلا۔**

موصوف کے بڑے بھائی حضرت مولانا عمیر صاحب عمری مدنی (مجاز بیعت حضرت والد صاحبؒ) چوں کہ حضرت والد صاحب پر ان دنوں چل رہے مصائب وامراض سے واقف تھے، عرض کیا کہ اس خواب کی تعبیر یہی سمجھ میں آرہی ہے کہ موجودہ ناسازگار حالات جو حضرت کے ساتھ پیش آئے ہوئے ہیں، اس طرح کے حالات شروع ہی سے خاصانِ خدا کے ساتھ رہے تھے، اب رفع درجات کے لیے حضرت کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں۔

(۳) بتاریخ ۲۳؍شعبان ۳۸ھ حاجی سید عمران صاحب خلیفہ حضرت والد صاحبؒ بنگلور سے تشریف لائے، اور کہا کہ جس وقت مجھے پچھلے ہفتہ رات ایک بجے حضرت کے دل کے دورہ پڑنے کی خبر پہنچی ایک صدمہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی، میری اہلیہ بھی سن کر رونے لگی میں انہیں تسلی دے کر نماز کے لیے کھڑا ہوگیا، نماز کے دوران مجھے ایسا محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کاندھے مبارک پر سفید رومال ڈالے ہوئے جھپٹ کر اس طرح تشریف لے جارہے ہیں جیسے کسی چھوٹے بچہ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو باپ جھپٹ کر صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے جاتا ہے۔

عمران صاحب کے بقول ’’یہ کیفیت مجھے عین نماز کے دوران پورے ہوش وحواس کی حالت میں محسوس ہوئی‘‘۔

کشف وکرامت

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اکثر اپنی مجالس میں کہا کرتے تھے کہ، ولایت کا معیار اتباع سنت پر موقوف ہے، جس درجہ آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنائے گا اور اسپر استقامت سے قائم رہے گا، اسی درجہ وہ اللہ کے قریب اور ولی سمجھا جائے گا، کشف وکرامت ولی ہونیکا معیار نہیں، اور سالک (راہ سلوک کو طے کرنے والے شخص) کو اس جستجو میں نہیں رہنا چاہیے کہ اسے کشف وکرامت جیسی کیفیت حاصل ہوجائے، شریعت وسنت پر استقامت ہی ہر کرامت سے بالا وبرتر ہے۔

حضرت والد صاحب کا جب یہ مطمحِ نظر رہا ہے تو ظاہر ہے ساری عمر وہ کشف وکرامت کے چکر میں نہیں گئے، البتہ ان کے تقوی وخلوص اور صفائی قلب کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص قسم کی بصیرت اور ایمانی فراست سے نوازا تھا جس کی برکت سے آپ بسا اوقات ہر کھرے وکھوٹے اور خیر وشر کے درمیان تمیز فرمالیتے تھے، اور مخلص وغیر مخلص کا بھی بخوبی اوراک

ہوجاتا تھا،اسی طرح بعض لوگوں کے ظاہری حالات کودیکھکر باطنی کیفیت کا بھی کچھ اندازہ لگا لیتے تھے ذیل میں اس کی چند مثالیں معتبر ذرائع سے پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) آپ کے پاس پابندی سے آنے والے اکثر متعلقین ومتوسلین سے احقر کئی سالوں سے سن رہاہے کہ ہم جس باطنی مرض یاروحانی بیماری سے پریشان رہتے اوراس فکر سے حضرت کے پاس آتے کہ اگر موقع ملے تو اس کا علاج دریافت کرلیں،لیکن اس سے پہلے ہی مجلس میں حضرت والا اس روحانی بیماری کا تذکرہ کرتے ،اس کا کافی وشافی علاج بھی بتادیتے اور ہمارامقصد پورا ہوجاتا، چناں چہ حضرت کے ایک مخلص مرید حاجی پرواز صاحب بنگلور نے احقر سے کہا کہ میں تقریباً ایک سال سے اپنے احوال حضرت سے کہنا ہی چھوڑ دیا اسلئے کہ میرے تمام احوال کا تذکرہ حضرت مجلس میں عرض کرکے انکا علاج بھی بتادیتے تھے۔

(۲) خوداحقر کواسکا بارہا احساس ہوا ایک سفرعمرہ کے موقع پر حضرات والدین احقر کومعمولات اور یومیہ اورادووظائف پورا کرنے کی تاکید کرتے رہے، ایک دن مکہ مکرمہ میں اچانک حضرت والدصاحب نے پوچھا ’’کہ تو قرآن کی تلاوت بھی کررہاہے یانہیں؟ احقر نے اس سلسلہ میں اپنی غفلت کو چھپانے کیلئے مبہم الفاظ سے کہا کہ ہاں حرم میں بیٹھکر تلاوت کرلیتاہوں،حضرت نے فرمایا کہ اب تک تیرے دس پارے بھی نہیں ہوئے ہوں گے ،یہ سن کر احقر ہکابکارہ گیااس لئے کہ اس وقت تک احقر نے ساڑھے نو یاپونے دس پارے ہی تلاوت کیا تھا۔

ایک مرتبہ احقر اپنے موبائل میں ’’مدارس کے تعلق سے حکومت کا موقف‘‘ کے متعلق ایک خبر پڑھ رہا تھا،والدصاحب غالباًتسبیح پڑرہے تھے،اچانک سوال کیئے کہ ’’مدارس کے تعلق سے کیالکھ رہاہے اسمیں‘‘؟(موبائل میں)احقر حیران رہ گیا اسلئے کہ والدصاحب دس پندرہ فیٹ دور تھے اوراس مجلس میں مدارس کے تعلق سے کوئی تذکرہ بھی نہیں ہوا،ان چندواقعات کے بعد سے احقر کوظن غالب ہو چکا تھا کہ حضرت والدصاحب کواللہ تعالیٰ حقیقت حال منکشف فرمادے رہے ہیں اسلئے ہم اسکے بعد سے بہت محتاط ہوگئے تھے،کہ کہیں ہماری چوری نہ پکڑی جائے اورکہیں ہماری ابتری حالت ان پر واضح نہ ہوجائے،اوراکثر احقر انکے پاس جاتے ہوئے اللھم استر عوراتی الخ اوریاسبوح یاقدوس وغیرہ کاورد کرتے رہتا تھا۔

(۳) محمد اسماعیل صاحب نامی ایک نوجوان حضرت والدصاحب کی مجلس آیا کرتے تھے آپکی وفات کے بعدانہوں نے احقر سے کہا کہ ایک مرتبہ یہاں اہل بدعت کی طرف سے میلاد کا جشن منایا گیا،رات بھرقوالیوں اورخرافات کا جشن رہا،اخیر رات میں فارغ ہوکر سارے شرکاء گھروں کو جاکر سوگئے،اور میں بھی اس جشن میں شریک رہ کر یہی طریقہ اختیار کیا،نہ نماز فجر کا ہوش رہا نہ وقت کے چلے جانے کا،دوپہرتک سوکر میں بعدعصر مجلس میں حاضر ہوا تو حضرت نے میری طرف دیکھا اور مجلس میں اسی موضوع پر بیان شروع کردیا،جسکا مفہوم یہ تھا۔

’’آج کل لوگ سیرت کا جلسہ رات بھر منعقد کرتے ہیں اور بڑے فخر سے محبت رسول کادعوی بھی کررہے

ہیں، ادھر سنن وفرائض کو چھوڑ رہے ہیں، ان کا یہ دعوائے محبت سچا نہیں ہے بلکہ جھوٹا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے حضرت میری طرف بھی دیکھ رہے تھے، بس میں سمجھ گیا کہ میری حالت ضرور حضرت پر منکشف ہوگئی ہے، ورنہ تو میری شرکت کرنیکی حضرت کو کوئی خبر ہی نہ تھی۔

نہی عن المنکر

برائیوں اور منکرات پر مناسب انداز میں ٹوکنا اور غیر شرعی امور کی بروقت اصلاح کرنا حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کا مزاج بن چکا تھا، اس فریضہ تو آپ امیر وغریب، عالم وغیر عالم، خاص وعام سبھی طبقات کے درمیان حسب مصلحت وحسب مراتب انجام دیتے، اپنے مرشد حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے کبھی کبھی بڑے بڑے مجمعوں میں بلاخوف لومۃ لائم منکرات پر اس انداز میں نکیر فرماتے کہ ہمیں خود تعجب ہونے لگتا کہ خلاف معمول آپکا مزاج آج بدل گیا ہے، سرمایہ داروں اور مالداروں کے نکاحوں کی محفل میں کیمرہ مین کو ہاتھ کے اشارے سے بھرے مجمع میں اس انداز سے دور کرتے کہ دوسرے لوگ بھی اس آدمی کی مذمت کرنے اور بھگانے میں آپ کے ساتھ ہوجاتے، نتیجۃً وہ شخص نظروں سے ہی اوجھل ہوجاتا، ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کے نکاح کے موقع پر اصرار سے آپ کو مسجد بلوایا جیسے ہی آپکی آٹو مسجد کی سڑھیوں پر پہنچی وہاں پر دیکھا کہ کیمرہ مین دولہا اور اس کے ساتھیوں کی ویڈیو لے رہا ہے، اگلے لمحہ وہ حضرت کی ویڈیو لینے کے لیے بھی تیار ہورہا تھا، تو فوراً آپ آٹو کو واپسی کیلئے آگے بڑھادیے اور گھر پہنچ گئے، بیچارہ دولہا اور اسکے والد کی حالتیں بری ہوگئیں اور نکاح کی یہ خوشی والی محفل انکے لئے پھیکی پڑگئی، بعض دفعہ آپ تصویر کھینچنے والوں کو سامنے بلوا کر اپنی کھینچی ہوئی تصویروں کو مٹانے پر مجبور فرماتے، ایک مرتبہ سفر عمرہ کے دوران چند حیدرآبادی لوگ آپکی تصویریں لے کر عام کردیے، حضرت کو پتہ چلا تو ان لوگوں پر اتنی ناراضگی کا اظہار فرمائے کہ پھر ان لوگوں کو شرمندگی کی وجہ سے آپکے سامنے جانے کی جرأت نہیں ہوپائی، وطن واپسی کے بعد حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ نے اپنی تصویریں لینے پر جو براءت نامہ تحریر کیا تھا اس براءت نامہ کو آپ اپنی کئی مجالس میں خود سنائے اور اور دوسروں سے بھی سنوائے اور فرمایا کہ آپ لوگوں نے غالباً حرمین شریفین کے سفر کے دوران کی میری تصویریں دیکھی ہونگی میں ان سے ایسی ہی براءت کا اظہار کرتا ہو، جیسے مفتی صاحب مدظلہ نے اس تحریر کے ذریعہ کیا ہے۔

نکاحوں کے موقع پر جب دولہوں کو پھولوں کے ہاروں سے لدے ہوئے اور ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں ڈالے ہوئے دیکھتے تو مؤذن صاحب کے ذریعہ انکے ہاروں کو نکلواتے، انگلیوں سے انگوٹھیوں کو نکلواتے اور ان دولہوں سے فرماتے کہ یہ سب چیزیں عورتوں کے لیے جائز ہیں، تمہارے لئے نہیں۔

اسکا اچھا اثر یہ ہوا کہ یہ خرافات آہستہ آہستہ ختم ہونے لگے اور کم ازکم فائدہ تو یہ ہوا کہ مسجد میں گھستے ہوئے دولہے لوگ ان سب چیزوں سے پاک ہوکر آیا کرتے، بہرحال حضرت والد صاحب کی کوشش یہ ہوتی تھی منکرات اور برائیوں کی شناعت اور

قباحت عوام وخواص کے ذہنوں میں پیدا ہوجائے، اپنی مجلسوں میں بھی غیر شرعی لباسوں اور بالوں کی غیر شرعی تراش خراش اور ٹخنوں کے نیچے کپڑے لٹکانے پر مناسب انداز میں نکیر فرماتے، الحمدللہ ہم نے خود دیکھا ہے کہ آپ کے نکیر کے مثبت اثرات چندایام میں محسوس ہونے لگتے تھے، جس نوجوان کو ایک مرتبہ غیر شرعی لباس پر ٹوک دیتے تو چند دنوں یا مہینوں کے بعد اسکو جبہ یا پاجامے میں دیکھتے، اگر کسی کو ایک مرتبہ داڑھی نہ رکھنے پر تنبیہ فرمادیتے تو چند ماہ کے بعد ہم اس کے چہرے پر داڑھی دیکھتے تھے۔

زہدواستغناء

زہدواستغناء میں حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ اپنے والد حضرت فقیہ الملۃ عارف باللہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کامل نمونہ تھے، بڑے بڑے مالدار وسرمایہ دار آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں میں شامل تھے، لیکن آپ نے پوری زندگی نہایت استغناء کے ساتھ گذاری، کسی کے سامنے اپنی ادنی حاجت بھی ظاہر نہیں فرمائی، اگر کوئی شخص کسی قسم کی امداد کی درخواست کرتا تو اپنے مدرسہ کی کسی ضرورت کی طرف اس کے رخ کو موڑ دیتے، بشرطیکہ وہ مالی اعتبار سے متوسط قسم کے لوگوں میں سے ہو، بڑے بڑے مالداروں کے سامنے تو مدرسہ کی اس ضرورت کا بھی ذکر نہیں کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ علاقہ کے سارے مالدار وعمائدین حضرات آپ سے مرعوب رہتے اور آپ کی کسی حق بات کے انکار کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے، مسجد کی امامت کی تنخواہ لیتے تھے، باقی ساری آمدنیوں مثلاً نکاح خوانی، قضاوت وافتاء وغیرہ پر آپ نے نہ کبھی تنخواہ لی، نہ کوئی ہدیہ قبول کیا، اپنے اکابر کے طرز پر تعویذات اور جھاڑ پھونک پر بھی کوئی معاوضہ نہیں لیا، کوئی دینا چاہتا تو صاف انکار فرمادیتے اور فرماتے کہ بس دعا کرو۔

۱۴۰۰ھ میں حضرت جد امجد کی رحلت کے بعد سے تاحیات آپ مدرسہ کی صدارت واہتمام پر فائز تھے، تقریباً چوالیس سالہ دور میں آپ نے کبھی بھی مدرسہ سے کوئی امداد یا معاوضہ نہیں لیا، آپ کا یہ استغناء آپ کی طبیعت میں رچا بسا ہوا تھا، بناوٹی اور تصنع کا نہ تھا، احقر کو یاد نہیں کہ اپنی اولاد سے بھی کبھی آپ نے اپنی کسی مالی ضرورت کا تقاضا رکھا ہو، کوئی ضرورت اچانک پیش آجاتی اور اس وقت آپ کی جیب میں کوئی رقم نہ ہوتی تو ہم میں سے کسی سے کہتے کہ "رقم دے دے، بعد میں دے دوں گا"، پھر بعد میں حسب وعدہ وہ رقم لوٹا دیتے تھے، آنے والے تمام مہمانوں کا آپ اکرام ضرور فرماتے، لیکن مالداروں کے سامنے گفتگو میں تملق یا خوشامدی کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا، آپ کی اس زاہدانہ شان سے ہر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

تحائف اور ہدایا قبول کرنے کے سلسلے میں بھی آپ بہت باتوں کا لحاظ فرماتے تھے، مثلاً پہلی ملاقات ہی میں کسی سے کچھ قبول نہ کرتے، الّا یہ کہ کوئی صاحب نسبت اور بزرگ شخصیت کی طرف سے ہو، ہدیہ دینے والے کی آمدنی کا بھی جائزہ لیتے، خالص حلال مال ہوتو قبول کرلیتے، مشتبہ مال ہوتو اس کو دوسرے غرباء کی امداد کے لیے مختص کرلیتے، اور خالص حرام آمدنی والا تو کچھ پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا، اگر کرتا بھی تو صاف انکار کردیتے، اسی طرح کوئی جوش میں بڑی رقم لے آتا، اور اس کے حوائج بھی زیادہ رہتے تو حضرت والد صاحب اس رقم کو واپس لوٹا دیتے کہ پہلے اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے جملہ حقوق ادا

کرو، وہ اگر اصرار کرتا تو لے لیتے، پھر دوبارہ اسی کو لوٹاتے ہوئے کہتے کہ ''یہ میری طرف سے تمہیں ہدیہ ہے۔''

طلبہ اور بے روزگار لوگوں سے بھی تحفہ قبول نہ کرتے، بلکہ عذر کردیتے کہ ''پہلے تم کسی کام میں لگو، اور کماؤ اس کے بعد انشاء اللہ قبول کروں گا''، امداد کر کے چرچا کرنے والوں سے بھی کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے، ایک رئیس آدمی جن کی عادت چرچا کرنے کی تھی، مستقل اصرار کرتے رہے کہ ایک مرتبہ آپ مکمل میری امداد سے عمرہ کو تشریف لے جائیں، لیکن حضرت والد صاحب ان کی درخواست کو ہر مرتبہ ٹال دیتے تھے اور اپنا اصول بتادیتے تھے کہ میرا معمول ہے کہ میں کسی ایک کی امداد سے حرمین شریفین کا سفر نہیں کرتا ہوں، یہی وجہ تھی کہ آپ کے پاس کئی حج بدل کے مواقع آئے، آپ نے دوسرے صاحب علم حضرات کو یہ مواقع دے دیے، اگر کوئی اپنا دنیوی مقصد یا کام بنوانے کی خاطر کوئی رقم لا کر دیتا تو اس کو رشوت سے تعبیر فرماتے، ہرگز قبول نہ کرتے، اس سلسلہ میں بعض دفعہ آپ نے بڑی بڑی رقمیں صحیح صورت حال سے واقفیت کے بعد واپس کر دیں تھیں۔

بعض لوگ آپ کو کار یا آٹو دلوانے کی پیش کش کیے، حضرت نے فرمایا کہ اس گاڑی کو کھڑا کرنے کے لیے شیڈ کی ضرورت ہے، جس کا اتنا کرایہ ہوتا ہے، پھر ڈرائیور کی تنخواہ کا مسئلہ ہے، اگر گاڑی خراب ہوجائے تو مزید اس کا خرچ! سب حساب کر کے اگر دیکھا جائے تو میں جو آٹو کے کرایہ پر خرچ کرتا ہوں، اس سے بڑھ جاتا ہے، لہٰذا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس طرح آپ نے بڑی بڑی پیشکشوں کو کچھ نہ کچھ حیلوں اور بہانوں سے رد کر دیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ زہد و استغناء آپ کے فطری اوصاف میں سے تھے، دنیاداری اگر آپ کا منشاء ہوتا تو بہت کچھ جمع کر سکتے تھے، لیکن حضرت والد صاحب نے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کو اپناتے ہوئے ساری عمر ایسی استغنائی شان سے گذار دی کہ جس کی مثال آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

عہدوں اور منصبوں کے حاصل کرنے کے پیچھے نہ خود پڑے، نہ اپنی اولاد کو ان کا امیدوار بنایا، کوئی بھی اہم عہدہ خالی ہوجاتا اور بھرتی کرنے کا مسئلہ آپ کے پاس آتا تو کسی لائق شخص کی آپ ہی تعیین کر دیتے، ہم لوگوں کو ان چیزوں کے چکر میں پڑنے سے پوری طرح بچانے کی کوشش کرتے، جب ذمہ داروں کا ہم میں سے کسی کو اس عہدے کے لیے منتخب کر لینے کا اصرار بڑھتا تو خاموش ہوجاتے، لیکن ہمیں سخت تاکید رہتی تھی کہ ''کبھی بھی اس عہدے کے لائق اپنے کو مت سمجھو، پرانے طریقوں پر ہی چلتے رہو، حالات کے اعتبار سے کچھ تبدیلی نظام میں لانا ہو تو خود سے ہرگز آگے مت بڑھو، بلکہ مجھ سے اور تمہارے بڑے اساتذہ سے ضرور مشورہ کر کے مناسب لائحہ عمل تیار کر کے محتاط انداز میں آگے بڑھو''، اس ہدایت کے سلسلہ میں اگر ہم سے معمولی سی کوتاہی بھی ہوجاتی تو بہت ناراض ہوتے تھے۔

اہل علم کی قدردانی اور اکابر وقت سے محبت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علماء و خدام دین کی بڑی وقعت تھی، انکے ساتھ خصوصی عزت و اکرام کا معاملہ

فرماتے ،انکی ضروریات اورمزاج کی بھی رعایت فرماتے گھروالوں اورخدام کو پہلے سے آگاہ کردیتے کہ انہیں کس قسم کا کھانا بنوانا ہے، چائے میٹھی یا پھیکی؟ جب وہ حضرات رخصت ہوتے توانہیں کوئی نہ کوئی ہدیہ رومال،عطریا جبوں کا کپڑا یا دینی کتب وغیرہ ضرورعطافرماتے بعض مشہوراور بافیض حضرات آجاتے تواپنی چوک مسجد میں یامدرسہ وصیۃ العلوم میں یا شہر میں کسی جگہ اہم اصلاحی پروگرام کرواتے ،مشائخ وقت آپ سے ملاقات کے لئے آجاتے یا خودانکی خدمت میں پہنچتے تو آپ نہایت نیازمندانہ انداز میں ان سے ملا کرتے ،زیادہ تر خاموشی سے ان کی باتیں اورنصائح سنتے رہتے خودبضرورت ہی بولا کرتے ،ان سے جب رخصت ہوتے تواپنے اوراپنے اہل وعیال کی فلاح وصلاح دارین کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست کرتے ،اور ان مشائخ کے لئے اپنے پاس موجودقیمتی اشیاء اورمقویات مثلاً خالص شہد وغیرہ اورقیمتی مدراسی لنگیوں کاتحفہ پیش کرتے ،حرمین شریفین میں حضرت مولانا خیرحجازمکی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی یہ اشیاء پیش فرماتے ،مدینہ منورہ کے بعض مشائخ کی خدمت میں بھی ان اشیاء کے ساتھ نقد ریال بھی پیش فرماتے ،کسی عالم یا حافظ کی تنگدستی کے بارے میں آپ سن لیتے توچپکے سے کسی کے ذریعہ اسکی امدادفرمادیتے بعض دفعہ کسی کو اسکاعلم بھی نہ ہو پاتا،ڈھائی سال قبل جب پہلالاک ڈاؤن آیااورمدارس کیلئے سخت مالی بحران کا سبب بن گیا توحضرت والدصاحب کی ہی کرامت تھی کہ اپنے مدرسہ سے ہر ماہ اساتذہ کی تنخواہیں جاری رکھیں ،اور جب یہاں بھی کچھ تنگی شروع ہوئی تو اساتذہ سے انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں ایک مکتوب تحریرکرکے ان سے اجازت لیکرصرف ان اساتذہ کی تنخواہوں سے جن کی دوسری آمدنیاں بھی تھیں معمولی وضع کروالیے،لیکن جب حالات سازگار ہوئے تو پرانی تنخواہیں بحال فرمادئے ،اسکے باوجودان دنوں اگرکسی استاذ کی معاشی حالت کی ابتری کےتعلق سے کچھ سن لیتے تواپنے جیب خاص سے اسکی امدادضرورفرمادیتے تھے۔

ہمارے بچپن میں حضرت داداصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استادحضرت مولاناعبدالعزیزشریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ وانمباڑی سے تشریف لاتے تھےاورایک دودن کاقیام رہتا توان کا حضرت والدصاحب بڑااعزازواکرام فرماتے ،جب وہ جانے لگتے توتحائف کےساتھ رخصت فرماتے ،جب حضرت موصوف علیہ الرحمۃ عمررسیدگی کے عوارض میں مبتلا ہوگئے اورچلنے پھرنے سے قاصرہوگئےتواپنے خاص احباب کے ذریعہ کچھ رقم جمع فرماتے اورحضرت کی خدمت میں اپنےمکتوب کےساتھ روانہ فرماتے یاکبھی خودوانمباڑی کاسفرکرتے اورشریف حضرت کی خدمت میں رقم پیش فرماتے ،ایک مرتبہ والدصاحب نے دیکھا کہ وہاں بجلی کا پنکھا بھی موجودنہیں ہےاورشریف صاحبؒ دستی پنکھاخودجھیل رہے ہیں توفوراً آپ نے ایک ٹیبل فین کاانتظام کرکے وانمباڑی کوروانہ فرمایا۔

طلبہ نوازی اورغرباءپروری

طبعاً حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے رحیم وشفیق تھے ،واردین وصادرین میں ایک بڑی تعدادغرباء کی رہتی

تھی، انکی ضروریات اور حوائج کا بھی حضرت کوعلم رہتا تھا، وقتاً فوقتاً حضرت والد صاحب ان کی امداد فرماتے رہتے ، غریب ونادار رشتہ داروں اوراپنے خاص مرحوم احباب کی بیواؤں اور یتیم بچوں کا بھی آپ کو ہمیشہ خیال رہتا، انکی بھی ماہ رمضان میں اور بعضوں کی بیماریوں یا پریشانیوں کوسنکر درمیان میں بھی امداد فرمادیتے تھے، حضرت کی اس سخاوت کا بعض مخصوص احباب کو پتہ تھا، چنانچہ وہ کچھ رقم لاکر حضرت کے پاس جمع فرمادیتے تھے لیکن والد صاحبؒ کی سخاوت انکی امداد پر ہی منحصر نہیں رہتی تھی ،ایک بڑی رقم اپنے جیب سے بھی اس مدکیلئے نکالا کرتے ، ان غرباء کے بچوں کی شادیوں کا مسئلہ آتا تو بڑی بڑی رقمیں بھی حضرت نے انہی عطا کیا تھا، خصوصاً غریب طلبہ پر حضرت کی مہربانی بہت رہتی تھی، مستقل انکے لئے وظیفہ بھی مقرر تھا، جب طلبہ یہاں سے فارغ ہوکر اعلی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند یا کسی بڑے ادارے کا رخ کرتے تو حضرت علیہ الرحمۃ کو بے حد مسرت ہوتی ،انکی حوصلہ افزائی فرماتے اور انکے لئے ماہانہ وظیفہ ان کی مدت تعلیم کے اختتام تک جاری رکھتے، تعلیم اور تربیت کے شعبہ میں ممتاز طلبہ کو انعامات سے نوازتے، مجلس میں پابندی سے حاضر ہونے والے طلبہ کا بھی خصوصی لحاظ فرماتے ،انہیں خصوصی امداد کے علاوہ آنے والے مہمانوں کے ساتھ کبھی کبھی دعوت میں شریک فرمالیتے، کہیں سے کھانا آجاتا تو ان طلبہ کو ضرور یاد فرماتے، حضرتؒ کی کوشش رہتی کہ ان طلبہ کی ظاہری وباطنی تربیت ہوجائے اسی لئے انکی تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے، انکی معمولی سی غلطی دیکھتے تو تنبیہ فرماتے اورکبھی معمولی سی خفگی کا بھی اظہار فرمادیتے، جسے حساس طلبہ برداشت نہ کرتے اور بے اختیار رو پڑتے تھے، احقر کا مشاہدہ ہے کہ حضرت کی صحبت کا اثر طلبہ میں بہت خوشگوار محسوس کیا جاتا تھا شریر طلبہ بھی چند ایام کی صحبت سے بدلے محسوس ہوتے ،بعض ضدی قسم کے طلبہ کو اساتذہ حضرت کی مجلس میں بھیجا کرتے الحمدللہ چند ماہ میں ہی خاصی تبدیلی ان میں محسوس ہونے لگتی تھی۔

تواضع وانکساری

حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ جن اوصاف سے عوام وخواص کے حلقوں میں معروف تھے، ان میں ایک نمایاں وصف تواضع وانکساری کا بھی تھا، آپ کی یہ صفت فطری تھی، ہر قسم کے تکلف وتصنع سے پاک تھی، حضرت جد امجد رحمہ اللہ کی باریک بیں تربیت اورآپ کے مشائخ بالخصوص حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کے فیض سے اس میں مزید نکھار پیدا ہوا، احقر راقم الحروف نے ساری عمر آپ کی زبان سے ایسا کلمہ نہیں سنا جس سے آپ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہو، ہاں ایک دفعہ آپ نے ایک پریشان کن لمحہ میں اپنے منصبی حق کو جتایا، لیکن اس کے نتیجے میں الحمدللہ بہت سارے فتنوں کا خاتمہ ہوا، اپنے لیے تعریف وتوصیف کے لمبے چوڑے القاب سے بھی گویا انہیں وحشت ہوتی تھی، ایک صاحب اپنے اصلاحی مکتوب میں بہت زیادہ توصیفی کلمات آپ کے لیے لکھا کرتے تھے، ان کا مکتوب سامنے آتا تو ناپسندیدگی کے انداز میں فرماتے تھے ''یہ مکتوب پڑھتے ہوئے بہت بیزاری محسوس ہوتی ہے، اس میں اصل بات بہت کم اور فضولیات زیادہ ہوتے ہیں''، والد صاحب حد سے زیادہ اپنی تعریف وتوصیف کو فضولیات سے تعبیر فرماتے تھے، اگر کوئی آپ سے ملتے ہوئے تواضع وادب میں مبالغہ کرتا تو اس کی اصلاح فرماتے، کسی مجمع میں آپ کے

راستہ کے لیے کوئی اگر ’’ہٹو، راستہ دو‘‘ کی آواز لگاتا تو فوراً اس کو روک دیتے، حتی کہ مسجد میں یا کہیں بھی اپنے اعزاز میں کھڑے ہونے کو بھی سخت ناپسند کرتے، کسی جلسہ یا مسجد وغیرہ کی افتتاح کی مناسبت سے آپ کو دعوت دی جاتی تو اولاً معذرت پیش فرماتے، جب اصرار بڑھتا تو اس شرط سے کہ ’’اشتہار میں میرا نام نہ لکھا جائے‘‘ تشریف لے جاتے، اس کے باوجود اشتہار میں نام ذکر کردیا جاتا تو خفگی کا اظہار فرماتے، لیکن اگر کسی علمی حلقہ سے دعوت آتی اور دینی ضرورت کے پیش نظر اس میں نام ڈالنے کا اصرار بڑھتا تو خاموش ہوجاتے تھے، اسٹیج میں بیٹھنا حضرت پر بہت بھاری لگتا تھا، ۲۰۱۷ء میں وصیۃ العلوم کے جلسہ دستار بندی کے اسٹیج میں سب سے پہلے دو بڑی آرام دہ کرسیاں رکھی گئیں تھیں، ان کے پیچھے دوسری قسم کی کرسیاں تھیں، جلسہ کے پہلے دن کی رات کو حضرت والد صاحب تیاریوں کا جائزہ لینے کے لیے مدرسہ تشریف لے گئے، ان دو آرام دہ کرسیوں کی طرف سے اشارہ کرکے دریافت فرمایا کہ: ان کرسیوں میں کون کون بیٹھیں گے؟ سابق سکریٹری مدرسہ جناب چتانے حاجی اسعد احمد صاحب مرحوم نے کہا کہ ایک کرسی میں مہمان خصوصی حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دوسری کرسی پر آپ بیٹھیں گے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو بڑی شخصیت ہیں، ان کے بازو میں مجھے کیوں بٹھا رہے ہو؟ سکریٹری صاحب نے کہا کہ حضرت! مہمان خصوصی مہتمم صاحب تو دوسروں کے لیے بڑی شخصیت ہیں اور آپ ہمارے لیے بڑی شخصیت ہیں، والد صاحب یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں انتہائی عاجزی اور فروتنی تھی، اس کے باوجود اللہ نے آپ کے چہرے میں ایسا رعب رکھا تھا کہ کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ آپ سے بے تکلف گفتگو کرسکے، کئی شوخ مزاج اور زیادہ بولنے والے لوگوں کو بھی ہم نے آپ کی مجلس میں مرعوب ہوتے ہوئے اور زبان بند کیے ہوئے دیکھا ہے۔

باوجودیکہ آپ صائب الرائے تھے، لیکن ہر اہم کام کو بغیر مشورہ انجام نہیں دیتے تھے، بچپن میں ہم دیکھتے تھے کہ وقتاً فوقتاً آپ کبھی اپنی والدہ صاحبہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی حضرت اقدس حاذق الملت مولانا حکیم زکی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی قدس سرہ کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی احقر کے ماموں حضرت اقدس نباض وقت مولانا حکیم محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت محی السنہ مولانا ہردوئی قدس سرہ کے پاس تشریف لے جاتے اور بہت دیر تک قوم وملت اور مسجد ومدرسہ اور دیگر امور سے متعلق مشورے لیتے رہتے، اور فقہ وفتاوی سے متعلق گاہے اپنے چچا واستاذ حضرت اقدس مولانا مفتی نثار احمد صاحب قاسمیؒ، شیخ الحدیث مدرسہ وصیۃ العلوم کی خدمت میں پہنچ کر استفادہ کرتے، اور کبھی اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کرکے بعض مسائل واحکام سے متعلق تحقیق کرتے۔

ان حضرات کی رحلت کے بعد اپنے رفیق درس اور بہنوئی حضرت الاستاذ مولانا محمد ذاکر رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق

ناظم وشیخ الحدیث مدرسہ وصیۃ العلوم سے مختلف امور میں مشورے فرماتے، حضرت والد صاحب بڑے وسیع الظرف تھے، اپنے چھوٹوں اور شاگردوں اور خصوصی احباب و متعلقین سے بھی مختلف امور میں مشورہ کرنے سے دریغ نہیں فرماتے تھے، کوئی چھوٹا بھی از خود مشورہ دیتا تو غور سے سنتے اور مسکرا دیتے، جس سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی اگر چہ وہ مشورہ لائق عمل نہ بھی ہو، بہرحال حضرت والد صاحب خود پسندی، تکبر وغرور کے داغوں سے اپنے دامن کو ہمیشہ بچائے رکھے۔

طرز زندگی اور معمولات یومیہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی نمونۂ سلف تھی، سادہ مزاج تھے، مگر پر وقار، سادہ لوح تھے، مگر بصیرت وفراست سے مالا مال، یہی وجہ تھی کہ کوئی چالاک یا سیاسی آدمی آپ سے اپنا مقصد نہیں بنا سکتا تھا، ہر خاص وعام سے خندہ پیشانی سے ملتے، ہر پریشان حال کا درد دل میں رکھتے، اور وہ آپ سے مل کر قلبی سکون پاتا تھا، اپنے لیے کسی اعزاز کی نہ انہیں طلب ہوتی نہ اس کو پسند فرماتے، کوئی بھی مخلص آکر اپنے گھر یا دکان میں دعا کروانے کے لیے بلاتا تو تشریف لے جاتے اور دعا کے فوراً بعد لوٹتے، وہاں نہ کوئی مشروب پیتے نہ چائے، سال میں ایک مرتبہ ہاسن کے احباب کی دعوت پر وہاں تشریف لے جاتے، ایک عرصہ تک ہاسن کا سفر ساڈھے سرکاری بسوں کے ذریعہ فرماتے تھے، داعی حضرات کی مالی حالت کا بھی پورا لحاظ فرماتے، اسی وجہ سے ان دنوں کبھی بھی کار کا انتظام کروانے کی بات نہیں رکھی، بعد میں الحمد للہ ہاسن تک کا نہایت آرام دہ سفر بذریعہ کار ہوا کرتا تھا، غذا میں آپ کو کوئی تکلف نہیں رہتا تھا، جو بھی چیز سامنے آئے استعمال فرماتے، ہم نے بچپن میں گھر کے بہت سارے کام کرتے ہوئے انہیں دیکھا ہے، کبھی اپنے کپڑے دھوتے ہوئے، کبھی پانی بھرتے ہوئے، کبھی مہمانوں کی آمد کے موقع پر مرغی کو ذبح کر کے اس کو صاف کرتے ہوئے، روٹی وغیرہ بنوانے میں والدہ محترمہ مدظلہا کی مدد کرتے ہوئے، کبھی پھلوں کو چھیل کر اور ٹکڑے کر کے ہمیں عطا فرماتے ہوئے، کبھی دواؤں کو تیار کرتے ہوئے (اطباء کے خاندان میں رہنے کی وجہ سے اس زمانہ میں اپنے گھریلو ضرورت کی خاطر دواؤں کو بنوا لینے کا عام رواج ہمارے خاندان میں تھا)۔

اپنے محبین و متعلقین میں یا اعزہ واقرباء میں کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، اگر کوئی بیمار امداد کا محتاج ہوتا تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کا کچھ امدادی سامان بھی لے جاتے یا اپنے خاص احباب کو اس کی ترغیب دیتے، بعض مرتبہ بنگلور یا مدراس وغیرہ کا سفر بھی برائے عیادت ہوا کرتا تھا۔

معمولات ووظائف کے بڑے پابند تھے، تلاوت کلام پاک کے ساتھ مناجات مقبول، حزب البحر، چہل صلوۃ وسلام، منزل اور بعض اکابر کے مخصوص وظائف (جنہیں آپ نے کئی صفحات میں لکھ رکھے تھے) وغیرہ یہ روزانہ کے معمولات میں سے تھے، ان کے علاوہ مخصوص سورتیں، متعدد آیات، مسنون اوراد و تسبیحات کی بھی صبح وشام پابندی رہتی تھی، ماہ رمضان میں غالباً ایک منزل کی تلاوت کا اہتمام تھا، سفر میں بھی تلاوت کی زیادتی ہو جاتی، خصوصاً حرمین شریفین کے سفر کے دوران تین دن میں

ایک قرآن شریف ختم کا معمول تھا،اس کے علاوہ وہاں قصیدہ بردہ شریف کا بھی اکثر معمول رہتا تھا، بہرحال ان اوراد کا اہتمام بیماری کے ایام میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہا تھا، یہاں تک کہ زندگی کے آخری دن بھی بعض اوراد کا اہتمام ہوا تھا۔

علاوہ ازیں حسب بشاشت نوافل واوابین کا بھی اہتمام رہتا تھا،متعلقین ومتوسلین کے خطوط بکثرت آیا کرتے ،اولین فرصت میں ان کے جوابات لکھ کر روانہ کردیتے ،جب تک صحت بحال تھی،متعلقین کا آپ سے فون پر بھی رابطہ تھا،صحت کی ناسازی کے بعد ہم لوگوں نے آپ کا فون بند کردیا، کیوں کہ اس سے آپ کے آرام میں بڑا اخلل ہوتا تھا۔

قربانی کا خاص اہتمام

شعائر دین سے انہیں خاص محبت تھی ،خصوصاً قربانی کا اہتمام ایک ماہ قبل سے شروع کردیتے تھے، بہت پہلے سے جانور خرید لیتے اور کہیں مناسب جگہ ان کو رکھ کر ان کے چارے اور پانی کی فکر فرماتے رہتے ،قربانی سے ایک دو دن قبل اپنے گھر منگوا کر باندھ لیتے اور بہت دیر تک جانوروں کے سامنے کرسی پر بیٹھے رہتے ،اس موقع پر بڑے والہانہ انداز میں اپنے والد صاحب کا تذکرہ کرتے کہ انہیں بھی قربانی کے جانوروں سے بڑی محبت رہتی تھی ،اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے،اور جانوروں پر محبت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے ہاتھ پھیرتے تھے کہ ’’کل بروز قیامت پل صراط پر یہ ہماری سواریاں ہوں گی‘‘۔

حضرت والد صاحبؒ اپنے صرف خاص سے اپنی تمام اولاد بلکہ ان کے بچوں کی طرف سے بھی قربانی فرماتے ،اسی طرح اپنے والدین ،اساتذہ ،مشائخ اور اپنے مرحوم خلفاء ،متعلقین ،محسنین ،اعزا وا قارب اور پڑوسیوں وغیرہ کی طرف سے بھی حسب مراتب کسی کو ایک کامل حصے میں یا کئے افراد کو ایک حصہ میں شامل کرتے ہوئے کئے کئے حصص صرف ایصال ثواب کے لیے مختص کرتے ،ان سب قربانیوں کے لیے ایک خطیر رقم بہ طیب خاطر لگاتے۔

زمزم کے پانی سے والہانہ محبت

اسی طرح زمزم کے پانی سے بھی حضرت والد صاحب کو بے انتہا محبت تھی ،سفر حرمین شریفین میں جیسے جیسے واپسی کے ایام قریب آنے لگتے تو آپ کو ایک ہی فکر رہتی کہ زمزم زیادہ مقدار میں کس طرح لے جایا جاسکتا ہے؟ سفر کے دوران استعمال کیے جانے والے مشروبات اور پانی کے چھوٹے چھوٹے بوتلوں کو جمع کرتے ،بڑے اہتمام سے آپ خود ہی اپنے ہاتھوں سے انہیں دھوکر صاف کرتے ،ان میں زمزم بھرتے اوران پر پلاسٹر لپیٹتے پھران بوتلوں کو سوٹ کیسوں اور بیگوں میں کپڑوں اوراشیاء کے درمیان میں رکھ دیتے ،جدہ ایرپورٹ میں جب ہمارے سامان کو زمزم سمیت قبول کرلیا جاتا تو حضرتؒ بے حد مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ،گویا بہت بڑی دولت مل گئی ہو،حضرت کی معیت میں جو متعلقین رہتے ،انھیں بھی آپ کی خاص نصیحت رہتی کہ ’’فضول سامان کو نہ لے جاؤ، وہ تو ہندوستان میں بھی مل جاتے ہیں ،زمزم کو جس قدر بھی ہوسکے لے جاؤ اوراس سے اپنی قلبی محبت وشوق کا مظاہرہ کرو،حضرت یہ بھی فرماتے کہ اگر زائد زمزم کوئی آفیسر لے جانے نہ دے تو اس کو وہیں چھوڑ کر آگے مت بڑھ جاؤ،خوب جی بھر کر پی لو اوراپنے احباب کو بھی پلا کر ختم کردو‘‘۔

حضرت کے ایک عقیدت مند نے ایک مرتبہ ہم سے کہا تھا کہ ’’حضرت والا کی زمزم سے جو دلی عقیدت ومحبت ہے، تنہا وہی ان کی نجات کے لیے کافی ہوجائے گی‘‘۔

عہدے اور مناصب

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی کوئی عہدہ، منصب یا کوئی اعزاز اپنے لیے طلب کیا نہ انہیں اس سے کوئی خاص دلچسپی تھی، منجانب اللہ جو کچھ مناصب آپ کو حاصل ہوئے ان کا آپ نے صحت کے زمانہ میں کما حقہ حق ادا کرنے کی کوشش فرمائی، امامت کا معاملہ ہو یا مدرسہ کا اہتمام، فتاوی نویسی کا مشغلہ ہو یا اصلاحی مجلس، صبح سے شام تک آپ کو کسی نہ کسی کام میں ہم مشغول ہی دیکھتے آرہے تھے، حتی کہ احقر کو یاد ہے کہ شدید بارش کے وقت بھی چھتری لے کر آپ مسجد کو نکل جایا کرتے، واپس آکر کہتے کہ مؤذن کے علاوہ دو تین لوگ ہی جماعت میں شریک ہوئے تھے، اسی طرح ہر ہفتہ اور بدھ کے روز مدرسہ تشریف لے جاتے اور اہتمام کی ذمہ داری انجام دیتے، تقریباً پندرہ سولہ سال پیشتر مدرسہ الباقیات الصالحات ویلور کی مجلس تعلیمی کے بھی آپ رکن بنائے گئے، سال میں ایک مرتبہ اہتمام سے آپ باقیات تشریف لے جاتے، جہاں سابق امیر شریعت ٹملناڈو حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر تعلیمی جائزہ لیتے۔ دو سال قبل جامعہ دار العلوم آمبور کے بھی آپ سرپرست اور ٹرسٹی بنائے گئے تھے۔

منصبِ امیر شریعت

۲۰۱۸ء میں حضرت اقدس امیر شریعت مولانا یعقوب صاحب وشارمی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد امارت شرعیہ ٹملناڈو کے زیر اہتمام مشاورتی اجلاس میں اکثر علماء کی رائے سے امیر شریعت ٹملناڈو کے لیے آپ کا نام منتخب کیا گیا، اس انتخاب کو اس وقت کے امیر الہند حضرت اقدس مولانا قاری عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے منظوری دے دی، اس طرح آپ چوتھے امیر شریعت ٹملناڈو منتخب کر لیے گئے، حضرت والد صاحب کو جب اس کی اطلاع دینے کے لیے حضرت مولانا مفتی ابوالحسن صاحب مدظلہ نائب امیر شریعت اور جناب محترم حاجی حسن صاحب دام اقبالہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ٹملناڈو، پرنام بٹ تشریف لائے تو حضرت نے ان سے معذرت چاہی کہ ’’امیر شریعت کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں، میرے اندر وہ ہمت وطاقت نہیں ہے کہ ان ذمہ داریوں کو انجام دے سکوں، کیوں کہ میں بیمار بھی ہوں اور زیادہ اسفار کا عادی بھی نہیں ہوں‘‘، حضرت مفتی ابوالحسن صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ ’’حضرت صرف آپ کی سرپرستی کی ضرورت ہے، جو کچھ اس کی ذمہ داریاں ہیں یا جو آپ فرمائیں گے ہم خدام اس کو انجام دیں گے، برائے مہربانی آپ اس منصب کو قبول فرمالیں‘‘، ان حضرات نے اصرار کیا تو حضرت نے خاموشی اختیار فرمالی، چند ماہ کے بعد مدراس کے حج ہاؤس میں حضرت والد صاحبؒ کے زیر صدارت امارت شرعیہ کا اجلاس بھی منعقد ہوا، جس میں اراکین عاملہ کی تشکیل ہوئی تھی، اس موقع پر حضرت والد صاحب نے –علماء وخدام دین کی ذمہ داریوں– کے تعلق سے ایک مؤثر وعظ بھی فرمایا تھا۔

واضح رہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کے زیر اہتمام صوبہ ٹملناڈو کی امارت شرعیہ کے سب سے پہلے امیر کی حیثیت سے ۱۹۸۵ء میں حضرت والد صاحب کے حقیقی چچا حضرت اقدس مولانا مفتی نثار احمد صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا گیا تھا، اس طرح الحمدللہ اس خاندان کے دو افراد یعنی چچا اور بھتیجے کو صوبہ ٹملناڈو کے امیر شریعت بننے کا اللہ تعالی نے شرف عظیم عطا فرمایا، **فللہ الحمد والمنۃ۔**

اسفار

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جتنی بھی دینی، علمی واصلاحی خدمات انجام دی ہیں، اپنی مسجد، اپنے مدرسہ اور اپنے گھر وخانقاہ سے انجام دی ہیں، اصلاحی ودعوتی اسفار سے انہیں کوئی خاص مناسبت نہ تھی، دور دراز علاقوں سے دعوت دی جاتی، لیکن انہیں یہ کہہ کر عذر پیش کر دیتے کہ ''میں کوئی مقرر آدمی نہیں ہوں، بس میں یہاں سادھے انداز میں آنے والوں کو دین کی باتیں بتا دیتا ہوں''، لیکن جب بہت زیادہ اصرار کیا جاتا تو مشروط قبول کر لیتے کہ اشتہار میں نام نہ ڈالیں اور ایک دو پروگرام سے زیادہ نہ رکھے جائیں، اس سلسلہ کے اسفار حیدرآباد، نندیال، مدراس، بنگلور، کے جی یف وغیرہ کے ہوئے ہیں، البتہ ہاسن کے لوگ تقریباً ہر سال حضرت کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے گرمی کے موسم میں اکثر مدعو کیا کرتے تھے، تا کہ وہاں کے ٹھنڈے موسم کا فائدہ بھی حاصل ہو اور حضرت کے حسب بشاشت اصلاحی مجالس گھر میں ہی منعقد کر لیے جائیں، دو مرتبہ حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے ہردوئی اور ایک مرتبہ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ جب علی گڑھ میں تشریف فرما تھے تو وہاں تشریف لے گئے، واپسی میں دیوبند، سہارنپور وغیرہ ہوتے ہوئے تشریف لائے، ان میں سے بعض اسفار کا کچھ تفصیلی تذکرہ حضرت کی کتاب ''نقوش وتأثراتِ محی السنہؒ'' میں مذکور ہے، کبھی کبھار موسم گرما میں کے جی یف کے احباب حضرت کو بہ اصرار کیرلا یا کسی اور مقام میں تفریح کے طور پر لے جاتے، الحمدللہ تفریح کے ساتھ حسب سہولت حضرت کی مجالس بھی ان سفروں میں ہو جایا کرتی تھیں، اس کے علاوہ کوئی خاص سفر نہیں فرماتے، اگر کسی سفر کی طرف حضرت کی قلبی رغبت وخواہش رہتی تھی تو وہ حرمین شریفین کے سفر کی تھی، چناں چہ بڑے اہتمام کے ساتھ تین چار ماہ قبل سے ہی عمرہ کی تیاری فرماتے تھے، بفضلہ تعالی حضرت والد صاحب نے دو حج فرمائے ۱۹۹۸ء میں پہلا حج اور ۲۰۰۶ء میں دوسرا حج، اور دس سے زائد مرتبہ عمرہ کی ادائیگی فرمائی ہے۔

معاملات کی صفائی

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ وعدے کے بڑے پکے تھے،، کسی چیز یا کام کا کسی سے وعدہ کر لیتے تو پوری کوشش ہوتی تھی کہ وقت پر وہ کام پورا ہو جائے، مثلاً فتوی نویسی، خطوط کے جوابات تعویذات وغیرہ کے سلسلہ میں ہم نے بارہا مشاہدہ کیا کہ ہر وقت فکر رہتی تھی کہ اس کام کو انجام دینے کا آج کا وعدہ ہے، فلاں کو کل تعویذ تیار کر کے دینا ہے، یا فلاں تاریخ کو یہ فتوی تیار کر کے دینا ہے وغیرہ، آپ پوری کوشش فرماتے تھے کہ وقت پر وہ کام پوا ہو جائے، اگر کسی وجہ سے اس کام کی تکمیل نہیں ہو پاتی اور وقت مقررہ پر فتوی وغیرہ لینے کے لیے کوئی آجاتا تو اس سے معذرت خواہانہ انداز میں مزید مہلت لیتے، اور تاخیر کی وجوہات بیان

کرتے، کسی سے قرض وغیرہ کا معاملہ کرتے تو وہاں بھی آپ کا معاملہ صاف ستھرا ہوتا، کئی سال پیشتر ایک صاحب خیر کے آزمائش کا دور چل رہا تھا، ان صاحب کا ایک بڑا مسئلہ درپیش تھا، بہت پریشان تھے، انہیں ایک بڑی رقم بھی موصول ہونے والی تھی، لیکن فوری مشکل تھی، حضرت والد صاحب سے ان صاحب نے قرض مانگا اور یہ یقین دلایا کہ میرا قرضہ جیسے ہی موصول ہوگا، میں آپ کا قرضہ ادا کردوں گا، حضرت نے اپنے دو تین خاص احباب سے ایک بڑی رقم لے کر ان کا مسئلہ حل کردیا، ادھر ان صاحب کے مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا، اور ان کا قرضہ وصول ہونے کا جو امکان تھا وہ تقریباً ختم ہونے لگا، تو حضرت والد صاحب بہت سخت پریشان ہوئے، ان دنوں احقر نے انھیں جتنا پریشان دیکھا تھا، اتنا کبھی نہ دیکھا تھا، راتوں کی نیند اڑ گئی تھی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ''قرض خواہ راستہ میں سامنے آجاتے تو میری حالت دگرگوں ہوجاتی ہے''، اور کبھی قرض خواہوں کو بلا کر نہایت عاجزی سے مزید مہلت لیتے، احقر نے محسوس کیا کہ والد صاحب کے قرض خواہ اتنے پریشان نہیں ہیں، جتنا والد صاحب پریشان ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ حضرت والد صاحب کی دیانت داری وامانت داری سے مطمئن تھے، پھر ان صاحب خیر سے تو اپنے قرض کی کوئی بڑی رقم موصول نہ ہوسکی، البتہ اللہ نے دوسرے طریقہ سے قرض کی ادائیگی کا انتظام فرمادیا، مدرسہ کے رقوم کے معاملہ میں بھی آپ کی بڑی احتیاط تھی، زکوۃ وصدقات کی رقم الگ رکھتے اور عطیات کی الگ رکھتے، آپس میں خلط ملط ہونے نہیں دیتے، اور جب کبھی اپنی رقم کے ٹوٹے (چلر) کی ضرورت پڑتی تو بازار سے کرواتے، مدرسہ کی رقوم سے ہرگز نہیں کرتے، مدرسہ کے کیلنڈر چندہ دہندگاں کو مفت دیے جاتے ہیں، حضرت والد صاحب کے پاس جو احباب اور متوسلین آتے تھے، انہیں حضرت کیلنڈر تقسیم کرتے، پھر ان سب کی رقم ماہ رمضان میں مدرسہ میں جمع کردیتے، حالاں کہ اکثر احباب مدرسہ کو چندہ دینے والوں میں سے ہوتے، ضابطہ کے مطابق انہیں مفت ملنا چاہیے تھا، پھر بھی حضرت احتیاط کے پہلو پر عمل فرماتے تھے۔

مجلس میں آنے والے بعض لڑکے اور طلبہ خانقاہ کی خدمت بھی کرتے، اور گھر کی ضروریات بھی لے آتے، انہیں حضرت کی تاکید رہتی تھی کہ کچھ رقم بھی اپنے جیب سے نہ ڈالنا اگر کبھی ڈال دیے تو فوراً اس کو لے لینا، اس معاملہ میں اگر کوئی کوتاہی کرتا تو حضرت اس پر ناراض ہوتے تھے اور بار بار اس حرکت کے کرنے پر اس سے خدمت بھی نہ لیتے تھے۔

کسی دینی یا علمی کام کے سلسلہ میں کہیں سے کوئی رقم موصول ہوتی، تو نہایت احتیاط سے وہ رقم صحیح مصرف میں لگاتے اور جملہ اخراجات لکھ کر رکھتے، کام کی تکمیل پر کچھ رقم بچ جاتی تو دینے والے صاحب کو اطلاع دیتے، وہ صاحب حضرت کی اس احتیاط سے بے حد متاثر ہوتے اور کہتے کہ حضرت! میں نے آپ کے ذمہ میں یہ رقم دے دی ہے، اس سے متعلق مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ جیسا چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں، حضرت فرماتے کہ ''بھائی اب اس جملہ سے ہی مجھے اجازت ملی ہے کہ جہاں چاہوں خرچ کروں ورنہ تو اب تک صرف ایک کام کی اجازت تھی''۔

بابرکت اور مستجاب الدعوات شخصیت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بڑی بابرکت اور بافیض تھی، اللہ نے ان کی صحبت میں بلا کی تاثیر رکھی تھی، اگر کہا جائے کہ آپ کی صحبت کیمیا اثر تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، کیوں کہ سیکڑوں کی زندگیوں میں دینی انقلاب کا رونما ہونا یہ آپ سے وابستہ

ہر آدمی کے مشاہدہ میں ہے۔ آخر کوئی تو وجہ ہوگی کہ ملک کی بعض معروف علمی شخصیات آپ سے منسلک ہوئے، آپ کی صحبت میں نیازمندانہ حاضر ہوتے رہے، اور فیضیاب ہوتے رہے، متعدد حضرات سے احقر نے براہ راست یا بالواسطہ سنا ہے کہ انھوں نے جب اپنی باطنی اصلاح کے لیے مرشد کی تلاش کے سلسلہ میں استخارہ کیا تو حضرت سے رجوع ہونے کا اشارہ ملا، مثلاً:

(۱) عزیزم مولوی حافظ وحید ظفر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ احقر سے کہا کہ میں تلاش مرشد کے سلسلہ میں پریشان تھا کسی ایک شیخ کی جانب دل مائل نہیں ہو پا رہا تھا، ایک دن (غالباً استخارہ کے بعد) میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والے بزرگ میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت والا کے پاس لے جا کر کہہ رہے ہیں کہ ”ان سے تم اصلاحی تعلق قائم کرلو، انہی سے تمہاری اصلاح ہوگی“۔

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب مدظلہ (نائب امیر شریعت کرناٹک، قاضی شہر بیلگام وخلیفہ حضرت والد ماجدؒ) نے بیان کیا کہ جس وقت حضرت نے مجھے اجازت بیعت کا لفافہ بھیجا اس سے دو دن قبل میں نے خواب میں دیکھا حضرت والا بیلگام دارالقضاء کے میرے دفتر کو مع احباب تشریف لائے ہیں اور حضرت بالکل نوجوان ہیں، مجھ سے دریافت کررہے ہیں کہ کیا تم نے نماز پڑھ لی، میں نے کہا کہ ابھی نہیں حضرت نے فرمایا کہ جاؤ، جا کر پہلے نماز پڑھ کر آؤ، پھر میں جامع مسجد نماز پڑھنے چلا گیا، جب میں خواب سے بیدار ہوا تو ایک قسم کی خوشبو محسوس ہوئی جو بہت دیر تک باقی رہی، اس کے دو دن کے بعد ہی حضرت کی طرف سے مدینہ منورہ میں تحریر کیا ہوا اجازت نامہ موصول ہوا۔

اللہ تعالی نے آپ کو مستجاب الدعوات بھی بنایا تھا، جب کوئی شخص آپ سے اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے اور پریشانیوں کے دفعیہ کے لیے درخواست دعا کرتا تو آپ بس ایک جملہ کہتے ”دعا کرتا ہوں“ لیکن اللہ تعالی نے اس جملہ میں اتنی تاثیر عطا فرمائی تھی کہ اکثروں سے احقر نے خود سنا کہ حضرت کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ہمارے کام بن گئے اور مسائل حل ہوگئے وغیرہ۔

(۱) محترم المقام جناب انوار اللہ صاحب حیدرآبادی مدظلہ خلیفہ حضرت والد صاحبؒ نے فون سے احقر کو بتایا کہ میرا کئی سالوں سے تجربہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں اپنی مشکلات کے حل کے لیے درخواست دعا لکھ کر بذریعہ پوسٹ مکتوب ارسال کرتا، اور ابھی وہ مکتوب حضرت کی خدمت میں نہیں پہنچ پاتا کہ الحمدللہ میری مشکلات ختم ہونے لگتے اور مسائل حل ہونے لگتے، یقیناً یہ حضرت کی کرامت ہے۔

(۲) حضرت والد صاحب سے منسلک ایک صاحب عبدالعزیز بنگلوری نے ۲۶/جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ کی دوپہر کو پریشانی کے عالم میں حضرتؒ کو فون پر بتایا کہ میری بیوی اچانک گھر سے نکل کر لاپتہ ہوگئی ہے، ابھی تک اس کا پتہ نہیں ہے، وہ غصہ کی طبیعت والی ہے، جس کی وجہ سے بسا اوقات ٹینشن میں آجاتی ہے، آج بھی اس کی وہی صورت ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے بغیر اطلاع غائب ہوگئی ہے، بیچارے عبدالعزیز صاحب ہر آدھے پونے گھنٹے کو بیقرار ہوکر فون کررہے تھے اور دعا کی درخواست کررہے تھے، نماز مغرب کے بعد بھی ان کا فون آیا اور پوچھا کہ حضرت! کیا میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس اسٹیشن میں درج کروں؟ حضرت نے پورے عزم کے ساتھ فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، اطمینان رکھو، **یا حي یا قیوم برحمتک استغیث** کا ورد رکھو اور اللہ سے خوب گڑگڑا کر دعا کرتے رہو، میں بھی یہاں دعا کررہا ہوں، اس کے بعد آپ نے والدہ محترمہ سے ان صاحب کے حق

میں دعا کرنے کے لیے فرمایا، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ عبدالعزیز صاحب کے فون کی گھنٹی بجی، خوشی کے عالم میں گویا وہ چیخ رہے تھے کہ حضرت! الحمدللہ بیوی مل گئی، وہ روٹھ کر اپنی بہن کے گھر چلی گئی تھی۔

بہر حال والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت صحبت اور قبولیت دعا کی متعدد مثالیں احقر نے اور حضرت کے دوسرے احباب نے سنی ہیں اور دیکھی ہیں، اور اسی تعلق سے مزید کچھ خواب اور واقعات بھی ہیں، جنہیں احقر تواریخ کے ساتھ اپنی ڈائری میں لکھ رکھا ہے، طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کر رہا ہے۔

سفر آخرت

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں اکثر فکر آخرت اور مابعد الموت کی تیاری کے عنوان سے کچھ نہ کچھ ذکر ہوتے رہتا تھا، عملی اعتبار سے بھی آپ نے اپنا ایسا نظام زندگی بنایا تھا جسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوتا تھا کہ موت کو پیش نظر رکھ کر یہ نظام بنایا گیا ہے، علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل اشعار آپ کی زندگی پر صحیح منطبق ہوتے ہیں۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے   وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش وغم   مسافر رہے جیسے تیسے رہے

لیکن زندگی کے آخری ایام میں فکر آخرت کا گویا آپ پر غلبہ ہو گیا تھا، حتی الامکان معمولات یومیہ ادا کرنے کی کوشش رہتی، لیکن مسلسل بیماری وکمزوری کی وجہ سے اور رات میں کم خوابی کی بنا پر دن میں غنودگی رہتی تھی، جس کی وجہ سے معمولات کی ادائیگی میں خلل ہو رہا تھا، کبھی کبھار اس خلل پر بڑا ملال کا اظہار بھی فرماتے، خصوصاً ماہ رمضان کی مبارک ساعتوں اور مبارک راتوں میں کما حقہ عبادات نہ ہونے اور روزوں کی ادائیگی نہ ہو سکنے کے غم کا اظہار ہم اہل خانہ کے درمیان کرتے رہتے، ہم تسلی دیتے رہتے کہ اس تڑپ پر انشاء اللہ آپ کو ان فوت ہونے والے اعمال کا مکمل اجر اللہ تعالی عطا فرمائیں گے۔

دنیا اور اس کے قیمتی اشیاء سے ہی آپ کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، ایک دن قبل بھی مدرسہ کے لیے کچھ سامان موصول ہوئے، ان کی طرف دیکھنے کی بھی آپ کو رغبت نہیں ہوئی، البتہ اہل حقوق کے احوال دریافت کرنا، ان کے کھانے پینے کے متعلق دریافت کرنا، ان کی بیماری کے احوال معلوم کرنا یہ باقی رہا، دو دن قبل بروز جمعہ بعد عصر کی مجلس میں بہت سارے متعلقین پرنام بٹ، گڑیاتم، آمبور اور وانمباڑی وغیرہ کے جمع ہو گئے تھے، انہیں آپ نے اکل حلال کے فوائد بتا کر حرام اور مشتبہات سے بھی بچے رہنے کی تاکید وتلقین فرمائی، گویا یہ آپ کی ان دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کے لیے آخری وصیت تھی، دوسرے دن رام نگرم سے جناب پروفیسر حاجی محسن صاحب زادمجدہ اپنے احباب کے ساتھ تشریف لائے، بعد عصر کی مجلس میں حاضر ہوئے، کتاب پڑھی گئی اور کچھ نصیحتیں حضرت نے بھی فرمائیں، اگلے دن بروز اتوار بتاریخ ۲۹ محرم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۸ راگست ۲۰۲۲ء ساڑھے گیارہ بجے کے قریب یہ حضرات حاضر ہوئے، اس وقت بھی حضرت نے فکر آخرت کے تعلق سے کچھ مختصر نصیحت فرمائی پھر احقر سے کہا کہ انہیں کسی اصلاحی کتاب میں سے کچھ پڑھ کر سنا دے، احقر نے ایک دیڑھ صفحہ پڑھ کر سنایا، اس کے بعد یہ حضرات والد

صاحبؒ سے مصافحہ کر کے رخصت ہوئے تو احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ بستی کا تبلیغی اجتماع آج چوک مسجد میں منعقد ہو رہا ہے، اور بعد مغرب دار العلوم آمبور کی مسجد کا افتتاح ہے، ان دونوں پروگراموں میں انشاء اللہ شرکت کرنا ہے، اس لیے احقر بعد عصر اور مغرب گھر نہیں آسکے گا، حضرت والد صاحب نے سفر آمبور کے بارے میں دریافت کیا کہ کس کے ساتھ جارہا ہے؟ اور کونسی سواری سے جارہا ہے؟ وغیرہ، پھر احقر حضرت سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا، عصر کے بعد تبلیغی اجتماع میں مبلغ کی حیثیت سے آئے ہوئے حضرت مولانا مفتی شفیق احمد صاحب بنگلوری زید مجدہم رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند تشریف لائے، اور بہت دیر تک انھوں نے عالمی اور ملکی طور پر ہو رہے تبلیغی کام کی کارگزاری سنائی، حضرت والد صاحب نے بھی پوری دلجمعی کے ساتھ ان احوال کو سنا اور دعاؤں سے نوازا، آپ کی یہ آخری مجلس، رحلت سے دو گھنٹے قبل ہوئی تھی، جس میں سارے عالم میں امت کے دینی احوال بیان ہوئے اور کام کی پائیداری کے لیے دعائیں ہوئیں، مہمان چلے گئے تو آپ نے مغرب کے بعد کہا کہ استنجاء کا تقاضا ہے، چناں چہ استنجاء سے فارغ ہو گئے، پھر آپ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی، برادرم مولوی ابرار صاحب نے شوگر ٹیسٹ کیا، ٹیسٹ کے دوران ایک اسٹرپ ضائع ہوا تو والد صاحب نے مخصوص انداز میں ''اوں'' کہتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا، رحلت کے ایک گھنٹہ قبل کوتاہی سے ایک چھوٹی سی چیز کے ضائع ہونے پر بھی نکیر فرمائی، اس کے بعد سے مسلسل غنودگی رہی، والدہ صاحبہ نے کچھ آیات پڑھنے کو کہا تو بڑی مشکل سے ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے، تقریبا سوا آٹھ بجے آپ کا سر ایک طرف ڈھلکنے لگا تو فوراً مولوی ابرار صاحب نے آپ کو سیدھا کرنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت آپ نے آخری سانس لے لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کی خبر منٹوں میں پورے ملک بلکہ بیرون ملک میں بھی پھیل گئی، جس نے بھی اس اچانک خبر کو سنا وہیں حیران وششدر رہ گیا، اور اس پر حزن وملال کی کیفیت طاری ہو گئی، جگہ جگہ سے اس خبر کی تصدیق کے لیے فون آنے لگے، پھر لوگ جوق در جوق آخری زیارت کے لیے پورے شہر سے بلکہ دور دراز شہروں سے بھی پہنچنے لگے، جس کو جیسا موقع ملا وہ جلد از جلد پہنچنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہو گیا، رات کے نو بجے کے بعد زیارت کے لیے جو لائن لگی، مسلسل بارہ ساڑھے بارہ بجے تک بھی باقی رہی، اس کے بعد بھی لوگ وقتاً فوقتاً آتے رہے، شب کے ایک بجے آپ کو غسل دیا گیا، جس میں آپ کے تینوں داماد مولانا مفتی صلاح الدین صاحب، مفتی اویس صاحب رشادی، جناب محمد عمر صاحب، مفتی مصباح اللہ صاحب، برادرم مولوی ابرار صاحب، احقر راقم الحروف اور یہاں کے مشہور غسال وغیرہ شریک رہے، غسل کے بعد آپ کا چہرہ مزید خوبصورت اور تبسم آمیز ہو گیا تھا، چہرے کی اس خوبصورتی کے دیدار کے لیے بعض لوگ تھوڑی تھوڑی دیر پر لائن میں لگ کر آرہے تھے۔

بہر حال تجہیز وتکفین سے فراغت کے بعد آپ کے دیدار کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا، ٹملناڈو، کرناٹک، آندھرا اور تلنگانہ تک کے مؤقر علماء، طلبہ، عمائدین اور حضرت کے متعلقین وغیرہ رات سے ہی پہنچنا شروع ہو گئے، فجر کے بعد دیدار کے لیے آنے والے لوگوں کا ہجوم بڑھ گیا، دوسری طرف عورتیں بھی کافی تعداد میں آئی ہوئیں تھیں، لیکن الحمد للہ سوائے محرم عورتوں کے کسی کو بھی حضرت کے دیدار کا موقع نہیں دیا گیا، تقریباً ساڑھے نو بجے جنازہ گھر سے عیدگاہ کی طرف لے جایا جانے لگا، کاندھا دینے کے لیے جگہ جگہ نیا مجمع اکٹھا ہو چکا تھا، اور مجمع کی کثرت کو دیکھتے ہوئے شہر کی انتظامیہ نے بھی ٹریفک کو کنٹرول کرنے کا اچھا انتظام کیے

ہوئے تھا، ادھر عیدگاہ میں دیدار کرنے والوں کی لمبی لائن لگی ہوئی تھی، شروع میں ہجوم بے قابو ہو رہا تھا، مفتی مصباح اللہ صاحب اور مولوی انظر صاحب وغیرہ مائک کے ذریعہ ہجوم کو قابو کرنے کی کوشش کرتے رہے، گیارہ بجے کے قریب مجبوراً ہمیں دیدار کے سلسلہ کو منقطع کرنا پڑا، بہت سے دور دراز سے آئے ہوئے افراد آخری دیدار سے محروم ہونے پر افسوس کرر ہے تھے، بہرحال ٹھیک گیارہ بجے نماز جنازہ پڑھی گئی، اس کے بعد جنازہ کو بہت بڑے مجمع (اندازاً پچاس سے ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تعداد تھی) کے درمیان قبرستان لے جایا جانے لگا، قبر میں حضرت خواجہ معین الدین صاحب مدظلہ ومحترم جناب پروفیسر محسن صاحب خلفائے حضرت والد صاحب، مفتی اویس صاحب وعمر صاحب اترے اور نمناک آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک فرمایا، دعا کے بعد ہر کوئی سوگوار اور اشکبار ہو کر مسجد آیا، وہاں حضرت اقدس مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت والد ماجد کا تعزیتی بیان ہوا، غم وصدمہ کے وقت وہ بیان الحمدللہ بہت تسلی وتسکین کا باعث ہوا۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

حضرت کی رحلت پر آج چالیس دن سے زائد ہو چکے ہیں، اب تک بیسیوں افراد نے حضرت کے متعلق اپنے جو مبارک خواب بیان کیے اور آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے خوشبوؤں کے جو جھونکیں ہم نے محسوس کیے ان سے ہم نے یہ بشارت حاصل کی کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی اپنے فضل سے حسن خاتمہ نصیب فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ عالم برزخ میں بھی اپنی خاص رحمت ورضوان کا معاملہ فرمار ہے ہیں، امید ہے کہ آخرت میں فردوس بریں کا اعلی مقام بھی ضرور عطا فرمائیں گے، اور اللہ تعالی ہمیں بھی ان اکابر کے نقش قدم پر قائم رکھ کر حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال کرے۔

آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔